اگست ۱۹۶۵ء

مسجد فضل لندن جہاں ۱۹۳۳ء میں جناب قائد اعظم مرحوم نے ہندوستانی سیاسیات سے عارضی کنارہ کشی کے بعد امام مسجد لندن حضرت مولانا درد رضی کے ایما پر ہندوستان واپس آکر مسلمانان ہند کی سیاسی قیادت ازسرنو سنبھالنے کا تاریخی اعلان فرمایا۔

ایڈیٹر
لطف الرحمان محمود

ایک ضروری وضاحت

زیر نظر شمارے میں ''توحید'' کے بارے میں ادارہ خالد کی طرف سے ایک مضمون شریک اشاعت ہے جس میں ۳ جولائی ۶۵ء کے ''الفضل'' میں شائع ہونے والے ایک مضمون کا جائزہ لیا گیا ہے۔ مقام مسرت ہے اس مضمون کے فاضل مصنف نے الفضل کی ۳۱ جولائی ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں امکانی غلطفہمی کا ازالہ کر دیا ہے محترم مضمون نگار نے اس وضاحت میں تحریر فرما دیا ہے کہ اس مضمون کے لکھنے سے میری ہرگز یہ نیت و منشا نہ تھا کہ جماعت کو اس بات کی تلقین کروں کہ وہ شرک جیسے قبیح فعل کو اتحاد جماعت کی خاطر برداشت کرتی چلی جائے''

ادارہ

جلد — ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۵ھ — ظہور ۱۳۴۴ھ — شمارہ

اگست سنہ ۱۹۶۵ء

سرپرست

حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد مدظلہ

صدر مجلس خدام الاحمدیہ

(ایڈیٹر)

لطف الرحمن محمود

نائب

محمد شفیق قیصر

(سید عبدالباسط پرنٹر و پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ خالد دارالصدر جنوبی ربوہ سے شائع کیا)

ترتیب

حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب مدظلہ العالی نے نماز مغرب کے بعد احمدیہ ہال کراچی میں ۲۱ جولائی ۱۹۶۵ء کو سورۃ نمل ع۵ کی بعض آیات کا درس ارشاد فرمایا تھا۔ اس لطیف درس کے نوٹس افادۂ احباب کے لئے پیش خدمت ہیں۔ ادارہ ان نوٹس کو اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے۔ (مرتبہ مکرم محمد اکبر صاحب افضل)

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۞

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور وحدانیت کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اپنی بعض نعمتوں کا ذکر بھی کیا اور بتایا کہ انسان کی سہولت کے لئے کیا نشانات پیدا کئے ہیں۔ کیا پھر بھی یہ میرے ساتھ بتوں کو یا انسانوں کو شریک ٹھہراتے ہیں؟

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ؕ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمایا کہ لوگوں تک یہ پیغام پہنچا دیں کہ تمام تعریفوں کی مستحق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اور پھر یہ بتایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر اپنانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس کے انبیاء کی اطاعت کرتے ہیں خدا تعالیٰ ان کو اپنی رحمت کے لئے چن لیتا ہے اور ان کو ہر تکلیف سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس کے باوجود بھی جو لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو حاجت روا سمجھتے ہیں اور ان کو خدا کے شریک قرار دیتے ہیں وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ ان کے بت جن کی وہ پرستش کرتے ہیں وہ اچھے ہیں یا وہ قادر مطلق خدا تعالیٰ اچھا ہے جس نے تمام مخلوقات کو پیدا کر کے ان کے لئے تمام قسم کے سامان بہم پہنچائے ہیں۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ

زمین و آسمان اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے۔ اب اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا ذکر کرتا ہے کہ انسان کی بقاء کے لئے بادلوں سے بارش برساتا ہے۔ جس سے پھر آگے سبزی پیدا کرتا ہے، درخت پیدا کرتا ہے اور دنیا کی ضرورتوں کے سامان تیار کرتا ہے۔

اس میں یہ مفہوم بھی پایا جاتا ہے کہ روحانی تعلیم کا پانی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو مبعوث فرما کر انسانوں کی روحانیت کو ترقی دیتا ہے حالانکہ کسی انسان کی طاقت سے بعید ہے کہ ایک درخت بھی پیدا کر سکے۔ تم ذرا ایک درخت ہی اُگا کر دکھاؤ پھر دیکھتے ہیں تم کتنی جلدی عاجز آجاتے ہو۔ کیا تم ان باتوں کا مشاہدہ کرنے کے باوجود شرک کرتے چلے جاؤ گے؟

ابو سفیان کی بیوی ہندہ بڑی دلیر عورت تھی جب فتح مکہ کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں سے عہد لے رہے تھے کہ ہم شرک نہیں کریں گی تو ہندہ بولی۔ یا رسول اللہ! کیا اب بھی ہم شرک کریں گی جبکہ آپ اکیلے تھے اور ہم اور ہمارے بُت زیادہ تھے لیکن فتح اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشی اور ہم شکست کھا گئے کیا ہم اب بھی نہیں سمجھے کہ یہ بُت کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ بلکہ تمام تائیدِ الٰہی آپ کو ہی حاصل ہے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ

اس میں اللہ تعالیٰ نے دعا کے مسئلہ کو واضح کیا ہے کہ وہ خدا جو مضطر کی آواز کا جواب دیتا ہے اور پھر اسکی تکلیف کو دُور کرتا ہے اسکو دیکھ کر بھی انسان نہیں سمجھتا۔ مضطر اُس شخص کو کہتے ہیں جو دنیاوی ذرائع رکھتا ہو لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید سے دُور ہو۔ جب وہ یہ اقرار کرے کہ خدایا دنیاوی ذرائع کے باوجود کام نہیں ہوتا لوگوں کے سامنے حاضر ہو کر میں نے دیکھ لیا ہے کچھ نہیں بنا' اب تیرے دروازے کو کھٹکھٹاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ اسکی دعا کو قبول کرتا ہے اور تکلیف کو دُور کر دیتا ہے بلکہ اسکے عوض اس کو اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے۔ پھر مشرک اس شرک کے بارہ میں سمجھ سے کام نہیں لیتے۔ تکلیف دُور ہو گئی تو پھر وہی شرک کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ ؕ

آئندہ کی باتوں کے متعلق بھی وہ معبود جن کو خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک قرار دیتے ہیں بالکل نہیں جانتے کہ کل کو کیا ہوگا۔ یہ سب باتیں خالقِ حقیقی کو ہی معلوم ہیں۔ انکو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ بارہ کب اُٹھائے جائیں گے۔ آخرت کے متعلق بھی انکا علم مکمل نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ آخرت کب آئیگی بلکہ ان کو یقین ہی نہیں کہ بعث بعد الموت ہوگی۔ وہ اس بارہ میں بالکل اندھے ہیں۔

مشرک لوگ ان تمام باتوں کے باوجود شرک سے باز نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ کو یہ شرک ہرگز پسند نہیں۔ اس نے انسان کے سامنے یہ ساری باتیں اسلئے بتائی ہیں تا انسان اسکی توحید کو دنیا میں پھیلائے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ان خزانوں کو پاکر خوشنودی حاصل کر لیتے ہیں اور اسکی نعمتوں کے وارث قرار پاتے ہیں ⁂

حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تین اہم خُلق —— • والدین سے حسن سلوک

• عفت و احسان

• مزدور کے حقوق کا احترام

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم سے پہلی اُمتوں میں تین شخص سفر کو گئے اور راستہ میں رات کو ایک غار میں ٹھہرے۔ اس غار کے مُنہ کو ایک بڑے پتھر نے ڈھلک کر بند کر دیا۔ اس پر انہوں نے آپس میں کہا کہ اس پتھر سے تبھی نجات ہو سکتی ہے کہ ہم سب باری باری اللہ تعالیٰ سے اپنی کی ہوئی کسی نیکی کا حوالہ دیکر دعا کریں۔ ایک نے یوں دعا کی:۔

"اے اللہ میرے ماں باپ بوڑھے تھے اور مَیں اپنے بال بچوں کو ان سے پہلے کھانا نہ کھلاتا تھا۔ ایک روز بکریاں چراتے چراتے مَیں دُور نکل گیا اور جب واپس آیا تو وہ سو چکے تھے۔ مَیں جانوروں کا دودھ لیکر گیا تو انہیں سوتا پایا اور مَیں نے ناپسند کیا کہ اپنے بال بچوں کو اُن سے پہلے کچھ کھلاؤں پلاؤں اور انکو جگانا بھی ناپسند کیا۔ پس مَیں پیالہ ہاتھوں میں لیکر انکے جاگنے کے انتظار میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ صبح ہو گئی اور بچے بھوک کے مارے میرے قدموں میں چلاتے تھے۔ پھر وہ جاگے تو وہ دودھ پیا۔ اے اللہ اگر مَیں نے یہ کام محض تیری رضامندی حاصل کرنے کے لیے کیا تھا تو ہماری یہ مصیبت دُور فرما۔"

اس پر وہ پتھر تھوڑا سا سرک گیا مگر وہ غار سے نہ نکل سکتے تھے —— دوسرے شخص نے یوں دعا کی:۔

"اے اللہ میری ایک چچازاد بہن تھی مجھے اس سے شدید محبت تھی۔ مَیں نے اس سے ہمبستری کا چاہا مگر اس نے نہ مانا۔ اس کے بعد قحط کا سال آیا وہ مجھ سے مدد مانگنے آئی مَیں نے کچھ اشرفیاں اس شرط پر اُسے دیں کہ وہ مجھے ہمبستری کرنے دے۔ اس نے مان لیا۔ پھر جب اس سے ہمبستر ہونے لگا تو اُس نے کہا کہ اللہ سے ڈر اور اس مُہر کو ناجائز طور پر نہ توڑ۔ مَیں یہ سُن کر اُٹھ کھڑا ہُوا اور روپیہ بھی معاف کر دیا۔ اے اللہ اگر یہ کام مَیں نے تیری رضامندی کے حصول کے لئے کیا تھا تو یہ مصیبت دُور فرما۔"

اس پر وہ پتھر تھوڑا سا اور ڈھلک گیا مگر وہ نکل نہ سکتے تھے —— تیسرے نے اس طرح دعا کی:۔

"اے اللہ مَیں نے کچھ مزدور کام پر لگائے پھر انکو مزدوری دیدی سوائے ایک شخص کے کہ وہ اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ مَیں نے اسکے پیسوں کو نفع پر لگا دیا یہاں تک کہ بہت مال مویشی اکٹھے ہو گئے۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد وہ آیا اور اپنی مزدوری مانگی۔ مَیں نے کہا کہ یہ جو کچھ اونٹ، گائیں، بکریاں اور غلّہ تو دیکھ رہا ہے یہ سب تیری مزدوری ہے۔ اس نے کہا دیکھو مجھ سے ٹھٹھا مت کرو۔ مَیں نے کہا مَیں ٹھٹھا نہیں کرتا سچ سچ یہ سب تیرے ہیں۔ اس پر وہ سب مال مویشی وغیرہ لیکر چلا گیا۔ اے اللہ اگر یہ کام مَیں نے تیری رضامندی کے حصول کی خاطر کیا تھا تو تُو یہ مصیبت ہم سے دُور فرما" —— اس پر وہ پتھر بالکل ڈھلک گیا اور وہ تینوں شخص باہر نکل کر اپنے راستہ پر ہوئے۔

(بخاری [illegible])

ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

خدا تعالیٰ جیسا وحدہٗ لاشریک ہے ایسا ہی محبّت کے رُو سے بھی اسے وحدہٗ لاشریک یقین کیا جائے

"قرآن شریف کی تعلیم کا اصل مقصد اور مدعا یہی ہے کہ خدا تعالیٰ جیسا وحدہٗ لاشریک ہے ایسا ہی محبّت کی رُو سے بھی اُس کو وحدہٗ لاشریک یقین کیا جاوے اور کُل انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا اصل منشاء ہمیشہ یہی رہا ہے۔ چنانچہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ جیسے ایک طرف توحید کی تعلیم دیتا ہے ساتھ ہی توحید کی تکمیلِ محبّت کی ہدایت بھی کرتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے ابھی کہا ہے یہ ایک پیارا اور پُر معنی جملہ ہے۔ اس کی مانند ساری تورات اور انجیل میں نہیں۔ اور نہ دنیا کی کسی اور کتاب نے کامل تعلیم دی ہے۔ اِلٰہ کے معنے ہیں ایسا محبوب اور معشوق جس کی پرستش کی جاوے گویا اسلام کی یہ اصل محبّت کے مفہوم کو پورے اور کامل طور پر ادا کرتی ہے۔ یاد رکھو کہ جو توحید بدوں محبّت کے ہو وہ ناقص اور ادھوری ہے۔ خدا کے ساتھ محبّت کرنے سے کیا مراد ہے؟ یہی کہ اپنے والدین، جورو، اپنی اولاد، اپنے نفس، غرض ہر چیز پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم کر لیا جاوے۔ چنانچہ قرآن شریف میں آیا ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ایسا یاد کرو کہ جیسا تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ اور سخت درجہ کی محبّت کے ساتھ یاد کرو۔ اب یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ خدا تعالیٰ نے یہ تعلیم نہیں دی کہ تم خدا کو باپ کہا کرو بلکہ اس لئے یہ سکھایا کہ نصاریٰ کی طرح دھوکہ نہ لگے۔ اور خدا کو باپ کر کے پکارا نہ جائے۔ اور اگر کوئی کہے کہ پھر باپ سے کم درجہ کی محبّت ہوتی تو اس اعتراض کو دفع کرنے کے لئے اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا نہ ہوتا۔ تو یہ اعتراض ہو سکتا تھا۔ مگر اب اس نے اس کو حل کر دیا۔ جو باپ کہتے ہیں وہ کیسے گرے کہ ایک عاجز کو خدا کہہ اُٹھے۔"

(روحانی خزائن ۲۔ ملفوظات حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد سوم صفحہ ۱۸۷ تا ۱۸۸)

ادارہ

جماعتی تنظیمیں اور اُن کی افادیت

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود ایدہ اللہ الودود کی موعود خلافت کے دورِ مسعود کے عظیم الشان عملی کارناموں میں سے ایک اہم کارنامہ جماعت کے مختلف طبقات کی موثر تربیت اور انہیں مستقبل کی عظیم الشان قومی اور ملّی ذمہ داریوں سے کما حقّہ' عہدہ برآ ہونے کے قابل بنانے کے لئے جماعت میں مختلف تنظیموں کا قیام و استحکام ہے۔ ان جماعتی تنظیموں میں سے ہر ایک اپنی ذات میں حضور کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے اور اپنے دُور رس تربیتی اور اصلاحی اثرات کے لحاظ سے حضرت سیدنا کی محیّر العقول غیر معمولی خداداد دُور اندیشی اور بلند نگاہی کا بیّن ثبوت ہے۔ ان جماعتی انجمنوں اور تنظیموں کی بدولت جماعت کے مخلص افراد —— مَردوں، عورتوں، بچوں، نوجوانوں اور بوڑھوں کی مرکز سے وابستگی کا تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جارہا ہے کیونکہ اِن تنظیموں کی بدولت فرد کا مرکز سے دوہرا تعلق قائم ہو جاتا ہے اور خلافت سے اس کی وابستگی کو تقویت پہنچتی ہے۔

لجنہ اماء اللہ —— ناصرات الاحمدیہ احمدی خواتین اور بچیوں کی فعّال تنظیمیں ہیں۔ انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ علی الترتیب بوڑھوں، نوجوانوں اور بچوں کی تنظیمیں ہیں حضور ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں ہر تنظیم نے اپنے لئے لائحہ عمل تجویز کر رکھا ہے اور اپنا اپنا آئین و دستور، بجٹ، مجلس شوریٰ اور مرکزی دفاتر ہیں اور جماعتہائے احمدیہ میں ان کی شاخیں قائم ہیں جو مرکز کی ہدایات کے مطابق اپنے اپنے حلقہ اثر میں سرگرم عمل ہیں۔

ان جماعتی تنظیموں کے علاوہ بھی حضور نے متعدد تنظیمی امور سے تعلق رکھنے والے کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت کی تنظیمی اصلاح اور بہتری کے لئے اب تک جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں ان کا جائزہ ایک مستقل کتاب کا مقتضی ہے۔

اس ضمن میں اختصار کے ساتھ ایک دو مثالیں مناسب ہوں گے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے بعض احباب کی درخواست پر جماعتی کاموں کو چلانے کے لئے ۱۹۰۵ء میں ایک انجمن قائم فرمائی۔ اس انجمن کے قیام کے متعلق حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب سلسلہ احمدیہ میں فرماتے ہیں:-

"صدر انجمن احمدیہ کے قیام کی تجویز ایک عام تنظیمی تجویز تھی جو سلسلہ کے بڑھتے ہوئے کاموں کی وجہ سے سہولت کے خیال سے اختیار کی گئی تھی۔ اور حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں اس انجمن

کی اس سے زیادہ حیثیت نہیں تھی کہ آپ کے ماتحت اور آپ کی امداد کے لئے بعض کاموں کے چلانے کے واسطے ایک انجمن ہے۔"

(سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۶۶)

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں اس انجمن نے جب اپنی حدود سے تجاوز کرنا چاہا اور انجمن کے بعض عمائدین کو خلیفۂ وقت کی بالادستی ناگوار گزرنے لگی تو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بڑی جرأت کے ساتھ انہیں انجمن کا اصل مقام یاد دلاتے ہوئے فرمایا:۔

"میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مجھے بھی خدا نے خلیفہ بنایا ہے ۔۔۔۔ اگر کوئی کہے کہ انجمن نے خلیفہ بنایا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ اس قسم کے خیالات ہلاکت کی حد تک پہنچاتے ہیں۔ تم ان سے بچو۔ پھر سُن لو مجھے نہ کسی انسان نے خلیفہ بنایا ہے نہ کسی انجمن کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ وہ خلیفہ بنائے پس مجھکو نہ کسی انجمن نے خلیفہ بنایا اور نہ میں اسکے بنانے کی قدر کرتا ہوں اور اس کے چھوڑ دینے پر تھوکتا بھی نہیں اور نہ اب کسی کو طاقت ہے کہ وہ اس خلافت کی ردا کو مجھ سے چھین لے۔" (بدر ۴ جولائی ۱۹۱۲ء)

مارچ ۱۹۱۴ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے انتقال کے بعد انجمن کے ان ارکان نے مقدور بھر کوشش کی کہ انجمن کو خلیفہ کا منصب دلایا جائے ۔۔۔۔ مگر انہیں اس مقصد میں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم اور منشاء کے سراسر خلاف تھا، ناکامی ہوئی اور جماعت کا سوادِ اعظم "خلافت" سے وابستہ رہا۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہٗ نے صدر انجمن احمدیہ کے انتظام اور کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے ۱۹۱۹ء میں انجمن کے متوازی نظارتوں کا ایک موثر نظام جاری فرمایا۔ اس جداگانہ متوازی نظام کا قیام بھی حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ یہ اقدام وقت کی ایک اہم ضرورت بھی تھا کیونکہ

"صدر انجمن احمدیہ کے جملہ انتظامی فیصلہ جات خالصۃً ایسے ممبروں کی رائے سے تصفیہ پاتے تھے جن کے ہاتھوں میں کسی انتظامی صیغہ کی باگ ڈور نہیں تھی۔ پھر مجلس کے قواعد کی بنیاد ایسی طرز پر رکھی گئی تھی کہ جماعت کی نمائندگی کو اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ بجائیکہ حکومت کی سب سے خطرناک صورت یہی سمجھی گئی ہے کہ اوّل تو چند آدمی تمام لوگوں کے نمائندے قرار دیئے جائیں مگر در اصل وہ نمائندے نہ ہوں۔ دوسرے انہیں یہ اختیار دیدیا جائے کہ وہ اپنے قائم مقام تجویز کر دیا کریں۔" (سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۶۲-۳۶۳ و تقریر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مطبوعہ الفضل ۲ نومبر ۱۹۲۵ء بحوالہ تاریخ احمدیت جلد پنجم صفحہ ۲۴۱)

کچھ عرصہ تک نظارتوں کا یہ متوازی نظام علیحدہ جاری رہا۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء میں اس جداگانہ متوازی نظام کو صدر انجمن احمدیہ میں مدغم کر دیا گیا اور آج تک اس ترمیم شدہ مخلوط انجمن ـــــ کی نگرانی میں سلسلہ کے مختلف صیغے کام کر رہے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ تنظیمی لحاظ سے ان میں ترقی ہوتی رہی ہے۔

اس سے قبل ۱۹۲۲ء میں حضور ایدہ اللہ نے ایک اَور عظیم الشان تنظیمی کارنامہ سرانجام دیا ـــــ اور وہ ہے "مجلس شوریٰ" کا قیام۔ جو تاریخ احمدیت کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے۔ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد مجلس مشاورت کے قیام کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

> "مجلس مشاورت کے قیام کے بعد گویا جماعت کے نظام کا ابتدائی ڈھانچہ مکمل ہو گیا یعنی سب سے اوپر خلیفۂ وقت گویا سارے نظام کا مرکزی نقطہ ہے۔ اس سے نیچے انتظامی صیغہ جات کو چلانے کے لئے صدر انجمن احمدیہ ہے جس کے مختلف ممبر سلسلہ کے مختلف مرکزی صیغوں کے انچارج ہوتے ہیں اور اسکے بالمقابل مجلس مشاورت ہے جو مختلف مقامی جماعتوں کے نمائندوں کی مجلس ہے اور تمام اہم امور میں خلیفۂ وقت کے سامنے مشورہ پیش کرتی ہے اور جس کی پوزیشن ایک طرح سے ـــــ ایک حد تک مجلس واضع قوانین کی سمجھی جا سکتی ہے"

(سلسلہ احمدیہ صفحہ ۳۶۸-۳۶۹)

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم سے صرف دو بنیادی حکومتی اداروں کا پتہ چلتا ہے (۱) خلافت (۲) مجلس شوریٰ۔ خلافت اسلامی معاشرہ کا نقطۂ مرکزیہ ہے اور مجلس شوریٰ جو ملت کے نمائندوں کی مجلس ہے خلیفۂ وقت کو اہم معاملات میں مشورہ دیتے ہیں خلیفۂ وقت ان مشوروں کو قبول کرنے کا پابند نہیں، اسلامی نظام اسے حقِ استرداد دیتا ہے۔ لیکن قرآن کریم نے مجلس شوریٰ کو ایک باقاعدہ ادارے کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے قیام کا حکم ہے اور سیدنا حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی فرمایا ہے "لاخلافۃ الا بمشورۃ"۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے بجا طور پر انہی بنیادی اداروں پر زور دیا ہے۔ مرکزی نظام اور جماعتی تنظیمیں دراصل خلیفۂ وقت کے تحت، خلافت کے مقاصد کے لئے آلۂ کار ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح کے منشائے مبارک کے مطابق کام کرتی ہیں اور اس اصول کی روشنی میں انہیں کام کرنا چاہیئے۔ اسی میں برکت ہے۔ اور اس حقیقت کو ہمیں مدنظر رکھنا چاہیئے کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ جماعتی تنظیمیں اسلامی معاشرے کے نقطۂ مرکزیہ یعنی نظامِ خلافت کے استحکام کے لئے جاری فرمائی ہیں اور اس لحاظ سے انہیں خاص اہمیت حاصل ہے۔ تاریخ ہمارے سامنے ہے جس سے ہمیں سبق لینا چاہیئے۔!! حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بارہا جماعت کو نظامِ خلافت سے وابستگی اور وفاداری کی تلقین فرمائی ہے اور اس کی اہمیت و افادیت اور برکت کو اس طرح ہر مخلص کے دل و دماغ میں راسخ کر دیا ہے کہ خلافت پر یقین اور اس کے احترام و استحکام کے لئے کوشش کرنا ہر احمدی اپنے ایمان کا حصہ سمجھتا ہے۔ اسی طرح حضور نے شوریٰ اور شوریٰ کے اراکین کے

احترام کو بھی قائم فرمایا ہے۔ حضور نے متعدد تقاریر، خطبات اور ارشادات میں اس کی اہمیت واضح فرمائی ہے مجلس مشاورت کی افادیت بیان کرتے ہوئے حضور نے ۱۹۲۲ء میں فرمایا :۔

"قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا شیوہ یہ ہے کہ "امرھم شوریٰ بینھم" اپنے معاملات میں مشورہ لے لیا کریں۔ مشورہ بہت ضروری اور مفید چیز ہے۔ بغیر اس کے کوئی کام مکمل نہیں ہو سکتا۔ اس مجلس کی غرض کے متعلق مختصر الفاظ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ایسی اغراض جن کا جماعت کے قیام اور ترقی سے گہرا تعلق ہے ان کے متعلق مختلف جماعتوں کے لوگوں کو جمع کر کے مشورہ لیا جائے تاکہ کام میں آسانی پیدا ہو۔ یا ان احباب کو ان ضروریات کا پتہ لگے جو جماعت سے لگی ہوئی ہیں۔" (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۲ء صفحہ ۴)

اسی طرح ۱۹۲۸ء میں حضور نے مجلس مشاورت کی اہمیت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا :۔

"میں دیکھتا ہوں مجلس مشاورت جماعت میں بہت اہمیت اختیار کر رہی ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے لا خلافۃ الا بمشورۃ کہ خلافت بغیر مشورہ کے نہیں۔ اور آپ نے خدا تعالیٰ کے حکم سے فرمایا۔ یہ میں اس لئے کہتا ہوں کہ خلافت کا حکم قرآن میں ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے متعلق کوئی حد بندی اپنی طرف سے نہ کر سکتے تھے۔ بات یہی ہے کہ خلافت بھی مفید نہیں ہو سکتی جب تک اس کے ساتھ مشورہ نہ ہو۔ تو خدا تعالیٰ کے نزدیک تو مجلس شوریٰ کو پہلے ہی اہمیت تھی مگر جماعت کی اس طرف کم توجہ تھی۔ اب جماعت بھی اس کی اہمیت محسوس کر رہی ہے۔"

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۵)

صاف ظاہر ہے کہ اس اہم مجلس کی رکنیت کتنا بڑا اعزاز ہے اور اس کا احترام ہمارے لئے کتنا ضروری ہے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

"ہماری جماعت کو سمجھنا چاہیئے کہ ہماری مجلس شوریٰ کی عزت ان بنچوں یا کرسیوں کی وجہ سے نہیں جو یہاں بچھی ہیں بلکہ عزت اس مقام کی وجہ سے ہے جو خدا تعالیٰ کے نزدیک اسے حاصل ہے بھلا کوئی کہہ سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت اس لباس کی وجہ سے تھی جو آپ پہنتے تھے؟ آپ کی عزت اس مرتبہ کی وجہ سے تھی جو خدا تعالیٰ نے آپ کو دیا تھا۔ اسی طرح آج بیشک یہ مجلس دنیا میں کوئی عزت نہیں رکھتی۔ مگر وقت آئیگا اور ضرور آئیگا کہ جب دنیا کی بڑی بڑی پارلیمنٹوں کے ممبروں کو وہ درجہ حاصل نہ ہوگا جو اس کی ممبری کی وجہ سے حاصل ہوگا۔ پس اس مجلس کی ممبری بہت بڑی عزت ہے اور اتنی بڑی عزت ہے کہ اگر بڑے سے بڑے بادشاہ کو ملتی تو وہ بھی اس پر فخر کرتا۔ اور وہ دن آئیگا جب بادشاہ اس پر فخر کریں گے۔ پس ضرورت ہے کہ جماعت اس کی اہمیت کو اور زیادہ محسوس کرے۔" (رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۵)

اس مختصر سے جائزے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے
کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعت
کے تنظیمی ڈھانچے کو مضبوط سے مضبوط تر اور مفید سے مفید تر
بنانے کے لئے کس قدر سعی فرمائی ہے ؎

اِک وقت آئے گا کہ کہیں گے تمام لوگ
ملّت کے اس فدائی پہ رحمت خدا کرے

اس سلسلے میں یہاں جماعتی تنظیموں کی افادیت کے
ضمن میں چند ایک معروضات پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا حق
یہ ہے اصل مرکزی نقطہ خلیفۂ وقت کی ذات ہے۔ باقی
تنظیموں کا وجود طفیلی ہے۔ طفیلی تنظیمیں اپنے اپنے دائرہ
کار میں آزاد ہیں۔ اگر یہ تنظیمیں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات
کی روشنی میں اپنے اپنے کام میں مصروف رہیں اور کوئی نامناسب
مداخلت معقولات میں نہ ہو ـــــ تو یہ تنظیمیں صحیح رنگ میں
کام کرتی رہیں گی اور اسے کون تسلیم نہیں کرتا کہ اگر یہ تنظیمیں صحیح
رنگ میں کام کرتی رہیں تو جماعت کے اتحاد و یگانگت تعلیمی
اور تربیتی ترقی اور تبلیغی و اصلاحی مساعی میں مزید مؤثر اضافہ
کا باعث بن سکتی ہیں۔ پس ضرورت اس امر کی ہے کہ ان جماعتی
تنظیموں کو اپنے اپنے دائرہ کار میں آزادانہ جدوجہد کرنے
کے مواقع ملتے جائیں اور غیر معقول مداخلت سے ان کی
کارکردگی پر اثر نہ پڑے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ
کے ارشادات عالیہ کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم تو یہی سمجھتے
ہیں کہ جماعتی تنظیموں کا کام ـــــ دو چار وقار عمل کرنا یا
چند ٹریکٹ تقسیم کرنا نہیں بلکہ حضور نے ان پر بہت بڑی
ذمہ داری ڈال دی ہے ـــــ حضور فرماتے ہیں:۔

(۱) "اگر ایک طرف نظارتیں جو نظام کی قائم مقام ہیں
عوام کو بیدار کرتی رہیں اور دوسری طرف
خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ اور لجنہ اماء اللہ جو
عوام کے قائم مقام ہیں نظام کو بیدار کرتے رہیں
تو کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ کسی وقت جماعت کُلّی
طور پر گر جائے اور اس کا قدم ترقی کی طرف
اُٹھنے سے رُک جائے۔ جب بھی ایک غافل
ہوگا دوسرا اُسے جگانے کے لئے تیار ہوگا۔
جب بھی ایک سُست ہوگا دوسرا اُسے
ہوشیار کرنے کے لئے آگے نکل جائیگا
کیونکہ وہ دونوں ایک ایک حصہ کے
نمائندہ ہیں۔ ایک نمائندہ ہیں نظام کے
اور دوسرے نمائندہ ہیں عوام کے۔"
(الفضل ۱۷ر نومبر ۱۹۴۲ء)

(۲) "میرا مقصد ان جماعتوں (خدام الاحمدیہ انصار اللہ
وغیرہ) کے قیام سے ہر فرد کے اندر ایک بیداری
پیدا کرنا تھا مگر یہ بیداری ابھی تک پیدا نہیں ہوئی۔
خدام میں ایک حد تک بیداری کا رنگ پایا
جاتا ہے مگر وہ رنگ بھی تھوڑا ہے۔ یہ دونوں یعنی
خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ مل کر جماعت میں بیداری
پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے
اس بات کی امید کی جا سکتی ہے کہ اگر خدانخواستہ
کسی وقت ہمارا نظام سو جائے تو یہ لوگ
اسکی بیداری کا باعث بنیں گے۔ اور اگر یہ خود
سو جائیں تو نظام ان کو بیدار کرتا

رہے گا۔" (الفضل ۷ ار نومبر ۱۹۴۳ء)

(۳) "جو قوم اپنی آئندہ نسل کی روحانی ترقی کا خیال نہیں رکھتی اس کا روحانی فیض بند ہو جاتا ہے۔ اس غرض کے لئے میں نے خدام الاحمدیہ کا قیام کیا تھا۔ بڑوں کا فرض ہے کہ نوجوانوں کی اصلاح کریں۔ مگر میں نے خدام الاحمدیہ کی تحریک اس لئے جاری کی ہے کہ اگر بڑے نوجوانوں کی اصلاح کے کام میں سستی کریں تو نوجوان خود اس کی کوشش کریں۔" (الفضل ۷ ر جولائی ۱۹۴۴ء)

(۴) "خدام الاحمدیہ کے وہ ممبر جو یہ سمجھتے ہیں کہ خدام الاحمدیہ دوسری انجمنوں کی طرح ایک انجمن ہے وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ انہیں اس میں شامل رکھا جائے۔ اسی طرح وہ ممبر جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ایک کمیٹی بنا کر سلسلہ کی خدمت کا جزوی طور پر کچھ کام کریں گے وہ بھی اپنے کام کی اہمیت اور اس کی عظمت سے بالکل ناواقف ہیں حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کے نوجوانوں کی درستی ہی اصل کام ہوا کرتا ہے اور یہی کام ہے جو قوموں کی کے راستہ میں ممد و معاون ہوا کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر ابتدائے زمانہ میں ایمان لانے والے زیادہ تر نوجوان ہی ہوتے ہیں۔" (الفضل ۷ ر اپریل ۱۹۳۹ء)

(۵) "اندرونی اصلاح اور تنظیم کو مکمل کرنے کے لئے میں نے خدام الاحمدیہ، انصار اللہ اور اطفال الاحمدیہ تین جماعتیں قائم کی ہیں اور یہ تینوں اپنے اس مقصد میں جو ان کے قیام کا اصل باعث ہے اسوقت کامیاب ہو سکتی ہیں جب انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور اطفال الاحمدیہ اس اصل کو مدنظر رکھیں جو حَیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ میں بیان کیا گیا کہ ہر شخص اپنے فرض کو سمجھے اور پھر رات دن اس فرض کی ادائیگی میں اس طرح مصروف ہو جائے جس طرح ایک پاگل اور مجنون تمام اطراف سے اپنی توجہ ہٹا کر صرف ایک بات کے لئے اپنے تمام اوقات کو صرف کر دیتا ہے جبتک رات اور دن انصار اللہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے۔ جبتک رات دن خدام الاحمدیہ اپنے کام میں نہیں لگے رہتے اور اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے تمام اوقات کو صرف نہیں کر دیتے اس وقت تک ہم اپنی اندرونی تنظیم کو مکمل

نہیں کر سکتے۔ اور جب تک ہم اپنی اندرونی
تنظیم کو مکمل نہیں کر لیتے اسوقت تک
ہم بیرونی دنیا کی اصلاح اور اس کی
خرابیوں کے ازالہ کی طرف بھی پوری
توجہ نہیں دے سکتے۔"

(الفضل ۱۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۴ء)

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مجلس خدام الاحمدیہ اپنے محبوب صدر کی زیر قیادت حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے منشائے مبارک کو پورا کرنے کیلئے حضور ہی کے ارشاداتِ عالیہ کی روشنی میں نئے عزم کے ساتھ سرگرمِ عمل ہے اور تربیتی، تعلیمی، تنظیمی، اصلاحی اور تبلیغی پروگرام میں اکثر مجالس ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اسی طرح نوجوانوں میں خلافت اور مرکز سے وابستگی، جماعت سے وفاداری کا احساس اور خدمتِ دین کا جذبہ روز افزوں ہے۔ الحمد للہ علیٰ احسانہٖ۔

یہاں یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ بعض مقامات پر خدام الاحمدیہ کے عہدیداروں کو یہ الجھن پریشان کر رہی ہے کہ وہ مقامی جماعتی تنظیم اور مقامی مجلس انصار اللہ کی بزرگانہ اور مشفقانہ سرپرستی اور حوصلہ افزائی سے محروم ہیں۔ بلکہ بسا اوقات تو ان کی طرف سے اپنے بچوں اور عزیزوں کی دل شکنی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے جس کا ان کے تربیتی، تعلیمی اور تعمیری پروگراموں پر اثر پڑنے اندیشہ ہوتا ہے۔ کہیں کہیں اکّا دکّا ایسے احباب بھی مل جاتے ہیں جو مجلس خدام الاحمدیہ کو غیر ضروری تنظیم سمجھتے ہیں۔ بعض مقامی جماعتی تنظیمیں اور انصار اللہ خدام الاحمدیہ سے شفقت آمیز سلوک روا رکھتے ہوئے زیادہ سے زیادہ تعاون کرتے ہیں۔ ایسے احباب ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس حسنِ سلوک اور تعاون کی بہتر جزاء عطا فرمائے۔ آمین۔ لیکن ہم یہ بھی کہیں گے کہ اوّل الذکر احباب کی یہ روش جماعت کے مفادات کے لئے نقصان دہ ہے، کیونکہ جماعت کی ایک فعّال تنظیم کی اہمیت کو نظر انداز کرنے کا اثر دُور رس ثابت ہو سکتا ہے۔

مجلس خدام الاحمدیہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دستِ مبارک کا لگایا ہوا پودا ہے جو آج چمنِ احمدیت کا ایک مضبوط، تناور شجر سایہ دار ہے۔ اس کی آبیاری، حفاظت اور خدمت سعادت مندی اور جماعت کی خیر خواہی پر دال ہے۔ کیونکہ اس تنظیم کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا جماعت کے استحکام کے لئے نہایت مفید ہے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے جماعتی تنظیموں کی حدیں مقرر فرما دی ہیں۔ اسی طرح ان تنظیموں کو بعض حقوق دیئے ہیں۔ جن میں کوئی ابہام نہیں۔ ان حدود اور حقوق کا احترام کرنا اور ان سے تجاوز نہ کرنا ہی اس اُلجھن کا علاج ہے۔ جماعتی تنظیموں میں تعاون کی اہمیت اس صورتِ حال سے بھی واضح ہوتی ہے۔ یہ اپنے اپنے دائرۂ کار میں آزاد ہیں اور براہِ راست حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہیں اور مشترک مقاصد کے لئے جدوجہد میں مصروف ہیں۔ پھر یہ ٹکراؤ کیسا اور یہ اُلجھن کیوں؟ حضور نے جماعتی تنظیموں کے باہمی تعاون کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

"میری غرض انصار اللہ اور خدام الاحمدیہ

کی تنظیم سے یہ ہے کہ عمارت کی چاروں
دیواروں کو مکمل کردیں - ایک دیوار
انصار اللہ ہیں، دوسری دیوار خدام الاحمدیہ
ہیں، تیسری دیوار اطفال الاحمدیہ ہیں اور
چوتھی دیوار لجنات اماء اللہ ہیں - اگر یہ
چاروں دیواریں ایک دوسرے سے
علیحدہ رہیں تو یہ لازمی بات ہے کہ عمارت
کھڑی نہیں ہو سکے گی - (الفضل ۷/۵ ص ۳۰)

چونکہ جماعتی تنظیمیں اپنے اصلاحی اور تربیتی مقصد
کے لحاظ سے ہم آہنگ ہیں اس لئے انہیں ذاتیات سے
بالا تر ہو کر جماعتی اتحاد اور سالمیت کے لئے مل جل کر کام
کرنا چاہیئے - ان کا اثر لازماً ایک دوسرے پر پڑتا
ہے - بالکل سادہ سی بات ہے - ایک "طفل" جو اپنی
مجلس (اطفال الاحمدیہ) کا سرگرم، پُرجوش اور وفادار
رُکن ہے، اُس کے لئے خلوص سے کام کرتا ہے وہ جب
اپنی عمر کے لحاظ سے مجلس خدام الاحمدیہ میں داخل ہوگا
تو یقیناً ایک اچھا، مخلص اور فعال "خادم" ثابت
ہوگا - اسی طرح ایک خادم جو اخلاص، وفاداری اور
تندہی سے مجلس خدام الاحمدیہ کے منشور کو عملی جامہ پہنانے
کی کوشش کرتا ہے جب انصار اللہ میں جائے گا تو
اس تنظیم کا یقیناً مخلص ممبر ثابت ہوگا اور جماعت کی
تنظیم کے لئے بحیثیت فرد ہر مرحلے پر انشاء اللہ زیادہ
مفید وجود ثابت ہوتا رہے گا -

ہم ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تسلیم کرنے کے لئے
تیار نہیں کہ وہ نوجوان جس پر خدام الاحمدیہ کی اہمیت
واضح نہیں یا جو خدام الاحمدیہ کی تنظیم کو نفرت کی نگاہ
سے دیکھتا ہو ـــــ یا جسے حضور کی قائم کردہ اس تنظیم
کے پروگرام سے کوئی دلچسپی نہیں اور وہ شتر بے مہار کی
حیثیت رکھتا ہو لیکن اسی وقت وہ بحیثیت فردِ جماعت
"سابقون الاولون" کے زمرے سے تعلق رکھتا ہو !!

ایں خیال است و محال است و جنوں

یہ تجربہ شدہ بات ہے اگر کوئی فرد جماعتی تنظیموں کا
وفادار ہوگا تو وہ بدرجہ اولیٰ اعلیٰ قدرِ مراتب جماعت
کے دوسرے اداروں سے وفاداری میں بڑھتا جائیگا
ـــــ اسی لئے تو ہم کہتے ہیں کہ جماعتی تنظیموں کی مضبوطی،
اتحاد اور استحکام کا مطلب ہے جماعت کی مضبوطی !،
جماعت کا اتحاد، جماعت کا استحکام !! جتنی جماعتی
تنظیمیں مضبوط ہوں گی اور جتنا بِرّ اور تقویٰ کے
معاملات میں ایک دوسرے سے تعاون کریں گے اتنا
ہی جماعتی اتحاد اور سالمیت کے لئے مفید ثابت ہوگا،
اور نظام خلافت سے اس کی وفاداری اور بھی کامل
ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ -

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے
خلفاء کی تحریرات اور ارشاداتِ عالیہ کے تجزیہ سے یہ
بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ تنظیمی ڈھانچے ہماری اصل
منزل نہیں ـــــ بلکہ اصل منزل کے لئے خاص اہمیت
کے حامل راستے ہیں ـــــ اصل مقصد کو حاصل کرنے
کا ذریعہ ہیں - اگر ہم ان تنظیمی ڈھانچوں کے حقوق و مراعات
اور حدود و قیود ہی میں اُلجھے رہیں اور مسابقت کی روح
کے اسلامی معیار تک نہ لے جائیں تو اصل مقصد کو نقصان

پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ اصل مقصد خدا تعالیٰ کے دین کی اشاعت ـــــ نیکی، تقویٰ اور عدل وغیرہ یعنی شریعت کا قیام اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اصل چیز یعنی ایمان کامل کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"ایمان کی طاقت کے مقابلہ میں کسی اور کی طاقت ہی کیا ہے جو ٹھہر سکے۔ یہ جو انتظام نظر آتے ہیں، صیغے بنے ہوئے ہیں، کارکن مقرر ہیں، یہ تو محض اس لئے ہیں کہ وسیع طور پر کام کیا جا سکے۔ لیکن اگر اصل کام ہی رُک جائے اور اس میں ضعف شروع ہو جائے تو پھر ہمیں کوئی ضرورت نہیں مدرسوں کی ـــــ کوئی ضرورت نہیں مبلغوں کی ـــــ کوئی ضرورت نہیں دفتروں کی ہم ان سب کو توڑ دیں گے اور خود دنیا میں نکل جائیں گے تاکہ دین کی خدمت کر سکیں۔ ان مٹی کی عمارتوں کو ہمیں کیا کرنا ہے۔ یہ اُس وقت ہمارے پاس کہاں تھیں جب مسیح موعود آیا۔ اگر ہم ان عمارتوں کے ملبے بیچ کر اور سب کچھ لُٹا کر بھی کامیاب ہو گئے تو سمجھیں گے کہ کچھ نہیں کھویا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہمیں دلوں کی عمارتیں بنانے کے لئے خدا نے بھیجا ہے ہمیں اینٹ پتھر کی عمارتوں سے کیا غرض۔ آپؑ نے یہ بھی فرمایا آئندہ لوگ آئیں گے جو سنگ مرمر کی عمارتیں بنائیں گے اور ان پر سونے کا کام کریں گے۔ یہ کام اُن کے رہنے دو۔ آؤ ہم دلوں کی عمارتیں بنائیں۔"

(رپورٹ مجلس مشاورت ۱۹۳۷ء صفحہ ۱۸۶)

جماعتی تنظیموں کا وجود بے شک ضروری ہے اور ان کی افادیت مسلّم کیونکہ وہ اصل بنیادی مقصد یعنی تقرب الی اللہ اور صحابہ رضوان اللہ اجمعین کے رنگ میں رنگین ہونے کے لئے تربیتی امور میں ممد ہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ "فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ" کی تفسیر کرتے ہوئے جماعت کو نصیحت فرماتے ہیں:-

"تم کو چاہیئے کہ تم عبادتوں میں اپنا وقت لگاؤ۔ اور ذکرِ الٰہی کی عادت ڈالو۔ یہی کام احمدیوں کا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ احمدیوں نے اب تک اس مقام کو نہیں پایا۔ کتنے احمدی ہیں جو اب تک اس مقام پر پورے اُترتے ہیں ؟ بے شک دوسروں سے زیادہ چندہ دینے والے احمدی موجود ہیں۔ مگر چندہ سے تو دین نہیں پھیلتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلیعبدوا رب ھٰذا

البیت ــــــ دین کی ترقی تو نفس کی صفائی اور عبادت کی کثرت سے ہوتی ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ ذکرِ الٰہی اور عبادت کی طرف بہت ہی کم توجہ ہے۔ فرض نمازیں وہ بے شک دوسروں سے زیادہ ادا کرتے ہیں مگر ذکرِ الٰہی کرنا، مساجد میں بیٹھنا، راتوں کو اٹھ کر تہجد ادا کرنا، اعتکاف کرنا ــــــ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جن کا قرآن کریم میں ذکر آتا ہے اور جو نفس کی اصلاح کے ساتھ نہایت گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ مگر ہماری جماعت کی توجہ ان کی طرف بہت کم ہے" (تفسیر کبیر جلد ششم جزو چہارم حصہ سوم صفحہ ۲۴۵-۲۴۶)

مقامِ مسرت ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ کچھ عرصہ سے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ان ارشادات اور نصائح کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک نئے عزم اور نئے جوش کے ساتھ سرگرمِ عمل ہے۔ مجلس کی کارکردگی اور اس کی تربیتی مساعی کے حوصلہ افزاء نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ نوجوانوں میں بیداری اور دین سے وابستگی کی ایک نئی لہر پیدا ہو چکی ہے جو دن بدن نمایاں ہو رہی ہے ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ مجلس کی مساعی میں برکت ڈالیگا اور جماعت کے نوجوان ــــــ سیرت و کردار کے ان مقدس سانچوں میں ڈھل جائیں گے جن میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نوجوانوں کو ڈھالنا چاہتے ہیں اور اس طرح وہ عظیم ذمہ داریوں کا وہ بار کامیابی سے اُٹھانے کے قابل ہو جائیں گے جو مستقبل میں اُن کے کندھوں پر آنے والا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ‡

خدا کے مقرّب بندوں کی علامات

خدا سے وہی لوگ کرتے ہیں پیار
جو سب کچھ ہی کرتے ہیں اس پر نثار

اسی فکر میں رہتے ہیں روز و شب
کہ راضی وہ دلدار ہوتا ہے کب

اُسے دے چکے مال و جاں بار بار
ابھی خوف دل میں کہ ہیں نابکار

لگاتے ہیں دل اپنا اُس پاک سے
وہی پاک جاتے ہیں اس خاک سے

(درثمین)

خطبۂ جلیلہ

"عالی ہمّت نوجوانوں کی ابتدائی منزلیں تو ہوتی ہیں لیکن آخری منزل کوئی نہیں ہوا کرتی"

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے ۲ر اپریل ۱۹۵۰ء کو تعلیم الاسلام کالج لاہور کے جلسۂ عطائے اسناد میں جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اُس میں نوجوانوں کو گرانقدر نصائح سے نوازا تھا۔ خطبے کے آخری حصے کا تعلق اُن ذمہ داریوں سے ہے جو وطنِ عزیز پاکستان کا شہری ہونے کی وجہ سے ہم پر عائد ہوتی ہیں۔ "یومِ استقلال" کی مناسبت سے یہ معرکۃ الآراء خطبہ پیشِ خدمت ہے۔ (ادارہ)

انسانی زندگی میں مختلف تغیرات آتے ہی رہتے ہیں اور یہی تغیرات انسانی زندگی کی دلچسپی کا موجب ہوتے ہیں۔ انسان کی زندگی سے ان تغیرات کو خارج کر دو تو اس کی ساری دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ ایک لمبے عرصہ کی ہم آہنگی بھی بعض دفعہ انسانی فطرت کا جزو بن جاتی ہے لیکن فطرت کا جزو بننے اور دلچسپی کا موجب ہونے میں بہت بڑا فرق ہے۔ فطرت کا جزو بننے کے صرف یہ معنے ہیں کہ اُس شخص کی "ہم آہنگی" کوئی غیر چیز نہیں معلوم ہوتی وہ اسے ناپسند نہیں کرتا وہ اس کا عادی ہو گیا ہے۔ بعض دفعہ اس "ہم آہنگی" کو بدلنے سے وہ صدمہ بھی محسوس کرتا ہے مگر اس طرح جس طرح بازو کا جوڑ الگ ہو جائے تو انسان تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن جب جوڑ اپنے مقام پر صحیح طور پر جڑا ہوتا ہے تو کوئی خاص کیفیت محسوس نہیں کرتا۔ ایک انسان کی ساری عمر اگر اس طرح گزر جائے کہ اس کے بازو کا جوڑ صحیح طور پر اپنے مقام پر جڑا رہے اور کبھی اُس میں کوئی تکلیف نہ ہو تو شاید ایک دفعہ بھی اُسے خیال نہ گزرے گا کہ اُس کے بازو کا کوئی جوڑ بھی ہے اور وہ اپنی جگہ پر صحیح طور پر جُڑا ہوا ہے اور اپنے مقررہ کام کو اچھی طرح ادا کر رہا ہے کیونکہ ہم آہنگی سکون کو پیدا کرتی ہے۔ لیکن فکر میں ہیجان پیدا نہیں کرتی۔ پس زندگی درحقیقت تغیرات کا نام ہے۔ کوئی ترقی تغیر کے نہیں۔ منزل بہ منزل آگے کو بڑھنا یعنی مختلف نیک تغیرات کے سلسلہ میں سے گزرنا ہی ترقی کی تعریف ہے۔

خدا تعالیٰ ازلی ابدی صداقت ہے۔ ذات کے لحاظ سے وہ غیر متبدل بھی کہلاتا ہے۔ لیکن صفات کے ظہور کے لحاظ سے وہ بھی غیر متناہی تغیرات اور تبدیلیوں کا حامل ہے اگر اس کی صفات کے ظہور میں تغیر اور تنوع نہ ہوتا تو وہ ایک منفی خدا ہوتا جیسا کہ ہندوؤں اور بدھوں کا تصور ہے

وہ ایک مثبت خدا نہ ہوتا جیسا کہ قرآن کریم کا نظریہ ہے۔
قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ فَبِأَيِّ
آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ

خدا تعالیٰ ہر زمانہ میں ایک نئی اور اہم حالت میں ہوتا ہے۔ پس بتاؤ تو سہی تم خدا تعالیٰ کی کس کس نعمت کا انکار کرو گے۔ اِن آیات میں نہایت وضاحت کے ساتھ صفاتِ الٰہیہ کے مثبت پہلو کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور انسانی ترقی کی ایک جامع مانع تعریف کر دی گئی ہے۔ خدا تعالیٰ کی صفات کے ظہور کا زاویہ انسانوں کی طرف ہر وقت تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ظہورِ صفات سے ہم آہنگی قائم رکھنے کے لئے انسان کو زاویہ بدلنا پڑیگا گھوڑے کو سدھانے والا ایک چکر میں کھڑا ہو جاتا ہے اور گھوڑے کی رسّی پکڑ کر خود چاروں طرف گھومتا ہے۔ گھوڑے کو بھی اس کے ساتھ گھومنا پڑتا ہے۔ مرکزی شے کے گھومنے کا دائرہ بہت چھوٹا بلکہ یہیں مرکز میں صفر کے برابر ہوتا ہے۔ مگر پہلوؤں پر کھڑے گھوڑے کو رسّی کے برابر فاصلہ طے کر کے چاروں طرف دوڑنا پڑتا ہے اور اسی میں اس کے فن میں کمال پیدا کرنے کا راز مخفی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنا پہلو ہر وقت بدلتا ہے۔ انسان کو اس کے پہلو بدلنے کے ساتھ اپنا قدم بڑھانا پڑتا ہے تا خدا تعالیٰ سے ہم آہنگی قائم رہے۔ یہ تغیر خدا تعالیٰ کے ساتھ انسانی تعلق میں تغیر پیدا نہ ہونے دینے کے لئے ضروری ہے اور اس تغیر سے انسان انسانیت کے فن میں کمال پیدا کرتا ہے۔ جس طرح سدھانے والے کے گرد چکر میں دوڑ کر گھوڑا گھوڑے کی قابلیتوں میں کمال حاصل کرتا ہے اور اسی کمال کے مختلف ٹکڑے ترقی کے نام سے موسوم ہوتے ہیں۔

غرض آیت مذکورہ بالا میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ میں ہر وقت ایک نئی تبدیلی پیدا ہوتی رہتی ہے اور اس تبدیلی کے ساتھ انسان کو بھی اپنے اندر صفاتِ باری کے موجودہ دور کے مطابق تبدیلی کرنی پڑتی ہے اور اس سے بنی نوع انسان کا قدم ترقی کی طرف اُٹھتا ہے۔

دنیا کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں بنی نوع انسان ترقی کی ایک خاص جہت کی طرف اُٹھتی ہے کسی وقت فلسفہ کا دور آیا ہے تو کسی وقت ادب کا، کسی وقت اخلاق کا دور آیا ہے تو کسی وقت فنونِ لطیفہ کا، کسی وقت قانون سازی کا دور آیا ہے تو کسی وقت تہوّر و شجاعت کا۔ غرض اچھے انسانی دماغوں میں ہر زمانہ میں ایک ہم آہنگی معلوم ہوتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمِ بالا کی کشش ہر زمانہ کے اعلیٰ دماغوں کو اس زمانہ کے صفاتی دور کی طرف کھینچنے میں لگی رہتی ہے اور اس فن میں انسانی دماغ زیادہ ترقی کر جاتا ہے جس طرح صفاتِ باری اس وقت اشارہ کر رہی ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نے اسے "ملاءِ اعلیٰ" کی مشاورت کا نام دیا ہے۔ یہ آسمانی فیصلے جس طرح روحانی امور کے متعلق ہوتے ہیں اسی طرح دنیوی امور کے متعلق بھی ہوتے ہیں۔ اور وہ دماغ جو اپنا زاویہ صفاتِ باری کے موجودہ زاویہ کے عین مطابق کر دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اپنے

زمانے کے اور اپنے فن کے راہنما بننے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور تاریخ میں ایک نام پیدا کر لیتے ہیں۔

اس کی طرف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعائے استخارہ میں اشارہ کیا ہے۔ انسان بے شک اپنی محنت کا پھل کھاتا ہے لیکن بے موسم محنت بھی تو رائیگاں جاتی ہے۔ شاید ہر غلہ سال کے ہر حصہ میں بویا جا سکتا ہے اور کچھ نہ کچھ روئیدگی بھی اس سے حاصل کی جا سکتی ہے لیکن وہ غلہ جو اس ملک میں بویا جاتا ہے جس کی زمین کو اس غلہ سے مناسبت ہے۔ اس کی کیفیت ہی اور ہوتی ہے۔ ہر انسان کے لئے ہر علم کا حاصل ہونا اور ہر قسم کا کام کرنا ممکن ہے لیکن ہر فن میں اس کا صاحبِ کمال ہونا ضروری نہیں۔ اس کے دماغ کی مخفی قابلیتوں کو اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ مختلف مفید علوم میں سے کونسا علم اور مختلف مفید کاموں میں سے کونسا کام اس کی طاقت کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اور اس کے زمانہ اور اس کے ملک اور اس کی قوم کی ضرورتوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس کے لئے مناسب ہے۔ پس فرمایا کہ خواہ اچھے سے اچھا کام ہو اس کے شروع کرنے سے پہلے اللہ تعالےٰ سے دعا کو لیا کرو جس کے الفاظ آپ نے یہ تجویز فرمائے ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ
وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ
اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ
فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ
وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔
اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا
الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ
وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْہُ لِیْ
وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ
فِیْہِ۔ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ
اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ
فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ
اَمْرِیْ فَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ
عَنْہُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ
حَیْثُ کَانَ اَرْضِنِیْ بِہٖ۔

یعنی اے میرے رب! جو کام میں کرنے لگا ہوں یا جو ذمہ داری میں اُٹھانے لگا ہوں اس کے بارہ میں تجھ سے، جو میری مخفی طاقتوں سے بھی واقف ہے، اپنے زمانہ کے حال کے متعلق ارادوں سے بھی واقف ہے اور میری ذاتی، خاندانی، قومی، ملکی اور عالمگیری ضرورتوں سے بھی واقف ہے، سب سے بہتر فیصلہ طلب کرتا ہوں اور پھر تجھ سے یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ اس فیصلہ کے مطابق مجھے کام کرنے کی تجھ سے توفیق اور امداد حاصل ہو۔ اور میری بات تجھ سے یہ طلب کرتا ہوں کہ جو بات میرے لئے مناسب ہو اور جس کی طرف تو میری راہنمائی کرے اور جسکے حاصل

کرنے کے لئے تُو میری مدد کرے اُس
کام یا ذمہ داری کے ادا کرنے میں تیرا
انتہائی فضل مجھ پر نازل ہو اور میں اس
کام میں ادنیٰ مقام حاصل نہ کروں بلکہ
مجھے اس میں اعلیٰ مقام حاصل ہو میں
تجھ سے یونہی اور بلا وجہ درخواست
نہیں کرتا بلکہ اِس وجہ سے درخواست
کرتا ہوں کہ مجھے یقین ہے کہ جن امور
کے پورا کرنے کی مجھے طاقت حاصل نہیں
تجھے ہے اور جن مخفی باتوں کا مجھے علم
نہیں تجھے ہے ۔ پس اے خدا! اگر تیرے
علم میں وہ کام جو میں کرنا چاہتا ہوں
میرے لئے اچھا ہے میری دینی ضرورتوں
کے لحاظ سے بھی، اور میری دنیوی ضرورتوں
کے لحاظ سے بھی اور اِس لحاظ سے بھی
کہ جو طاقت اور محنت میں اس کام میں
خرچ کروں گا اس کا نتیجہ مجھے زیادہ سے
زیادہ اچھا حاصل ہو سکے گا تو پھر اس
کام کے کرنے کی مجھے توفیق عطا فرما۔
اور اس کام کو اعلیٰ درجہ کی تکمیل تک
پہنچانے کے لئے مجھے سہولت بخش اور
اس کے نتائج کو میرے لئے وسیع سے
وسیع تر کر اور اس کے برخلاف تیرے
علم میں یہ ہو کہ یہ کام میرے لئے مناسب
نہیں، دین کے لحاظ سے یا دُنیا کے
لحاظ سے، یا اِس لحاظ سے کہ میری محنت
کے مطابق اس سے نتیجہ پیدا نہ ہوگا تو تُو
اس کام کے راستہ میں روکیں ڈال دے
اور میرے دل میں بھی اس سے بے رغبتی
پیدا کر دے اور اس کے سوا جس امر
میں میرے لئے بہتری ہے اسکے سامان
میرے لئے پیدا کر دے اور اُس کی
طرف میری توجہ پھیر دے اور اُس کی
خواہش میرے دل میں پیدا کر دے۔"

یہ دعا کتنی کامل ہے اور اس میں کس لطیف پیرایہ سے
اِس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر اچھا کام ہر زمانہ
اور ہر انسان کے لئے مفید نہیں ہوتا بلکہ اچھے سے اچھا
کام بھی بعض زمانوں میں اچھا نہیں رہتا اور اچھے سے اچھا
کام بھی بعض قوموں اور بعض افراد کے لئے اچھا نہیں ہوتا۔
پس اپنی محنت کے اعلیٰ سے اعلیٰ پھل حاصل کرنے کے لئے
انسان کو وہ کام اختیار کرنا چاہیئے جو اُس کے لئے اور
اس کی قوم کے لئے اور بنی نوع انسان کے لئے اُس زمانہ
میں مفید ہو اور جسے اعلیٰ طور پر بجا لانے کی اس میں ذاتی
قابلیت موجود ہو۔ اگر یہ نہ ہو تو اُسے وہ کام یا علم کسی
دوسرے بھائی کے لئے چھوڑ دینا چاہیئے اور خود اپنے
لئے اپنے مناسبِ حال کام یا علم تلاش کرنا چاہیئے لیکن
چونکہ بنی نوع انسان کی ترقی کا معاملہ انسانی جدوجہد اور
اس کی دماغی قابلیتوں کے علاوہ خدا تعالیٰ کی صفات کے
ظہور کے موجود الوقت مرکز کے ساتھ بھی وابستہ ہے
اس لئے اُسے کام شروع کرتے یا علم کی تحصیل کی طرف

متوجہ ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ سے بھی یہ دُعا کریں یعنی
چاہیئے کہ اس زمانہ کے متعلق جو اس کی تجویز اور اس کا
فیصلہ ہے وہ اسے اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق
بخشے تا کہ اچھا بیج اچھی زمین میں مناسب موسم میں پڑے
تا اعلیٰ سے اعلیٰ کھیتی پیدا ہو اور زیادہ سے زیادہ
فائدہ حاصل ہو۔

جیسا کہ شروع میں بتا چکا ہوں کہ انسانی زندگی
کی سب دلچسپیاں ایک غیر متناہی تغیر سے وابستہ ہیں
اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرتے ہوئے غیر متناہی
تغیر کے سامان بھی اس کے ساتھ ہی پیدا کر دیئے ہیں لیکن
جب تغیر صحیح اصول پر ہو تو وہ تغیر ترقی کا موجب ہوتا
ہے اور جب غلط اصول پر ہو تو تنزل کا موجب ہوتا
ہے لیکن سکون اپنی ذات میں ہمیشہ ہی تنزل کے ساتھ
مخفی رکھتا ہے جو قوم ساکن ہو جاتی ہے وہ ہمیشہ نیچے
ہی گرتی چلی جاتی ہے۔ پس ہمارے نوجوانوں کو چاہیئے
کہ وہ یہ امر مدنظر رکھیں کہ اس دنیا میں سکون موت کا نام
ہے، جو کھڑا ہو گا وہ مر جائے گا یا پیچھے کی طرف دھکیلا
جائے گا جو دوسرا نام موت کا ہے۔ پس انہیں چاہیئے کہ
اپنی تعلیم کے ختم کرنے پر وہ ایک منٹ بھی یہ خیال نہ کریں
کہ اب شاید ان کے لئے آرام کا وقت آگیا ہے۔ انہیں
سمجھ لینا چاہیئے کہ آرام کا نہیں کام کا وقت آگیا ہے۔

جیسا کہ میں اوپر کہہ آیا ہوں اسلامی اصول کے
لحاظ سے ہر وقت انسان کے لئے آگے قدم بڑھانا ضروری
ہے اور اس کی ترقی اس بات کے ساتھ وابستہ ہے کہ
وہ صرف قدم ہی آگے نہ بڑھائے بلکہ اس جہت میں بڑھائے
جس جہت کی طرف خدا تعالیٰ کی صفات اشارہ کر رہی ہوں
اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جو کام کریں دعائیں کر کے
اور خدا تعالیٰ سے مدد مانگ کر کریں۔ میں خصوصاً اُن
طلباء کو جنہوں نے یونیورسٹی کی تعلیم ختم کی ہے اور ڈگریاں
حاصل کی ہیں اُن کے فرض کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جب
انہوں نے تعلیم شروع کی تھی تو شاید انہیں یہ بات معلوم
نہ تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بڑے کام کیلئے
استخارہ مقرر فرمایا ہے۔ اور شاید اپنے لئے مضامین کا
انتخاب کرتے وقت انہوں نے دعاؤں میں کوتاہی کی ہو لیکن
اب جبکہ ان کی پہلی منزل ختم ہو گئی ہے اور دوسری منزل
شروع ہونے والی ہے جو شاید اور بہت سی منزلوں کا پیش خیمہ
ہو گی تو انہیں چاہیئے کہ وہ اسلام کے بتائے ہوئے طریق
کے مطابق خدا تعالیٰ سے دُعا کر کے اپنے لئے راہِ عمل
تجویز کریں۔

شاید بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ
یونیورسٹی کی ڈگری لینے والوں اور کالج کے طلباء کو مخاطب
کرتے وقت یہ کیا راگ چھیڑ دیا ہے لیکن میں ایسے لوگوں
سے کہتا ہوں کہ پاکستان کا مطالبہ ہی اس دعویٰ پر مبنی
تھا کہ اسلام ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت کو ہم
سیاسی وجوہ کی بناء پر ترک کرنے کے لئے تیار نہیں۔ اور
اسلام نام ہے خدا تعالیٰ، اس کی قدرتوں اور اس کے
نبیوں پر ایمان لانے کا۔ اگر ہم اپنے دعویٰ کی بناء
اسلام پر رکھتے ہیں تو ہم کو یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ ہم خدا
پر یقین رکھتے ہیں اور اس کی زندہ قدرتوں پر ایمان لاتے
ہیں ورنہ ہمیں نہ کسی الگ جگہ کی ضرورت تھی اور نہ یہ

نامناسب تھا۔ دوسرے مذاہب بطور جُبّہ کے پہنے جاسکتے ہیں مگر اسلام نہیں۔ اسلام ایک زندہ مذہب جو زندگی کے ہر شعبہ میں دخل انداز ہوتا ہے اور ہمارے ہر فعل پر حکومت کرنا چاہتا ہے اگر ہم اسلام کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر خدا اور اس کے رسولؐ کو تصرف حاصل ہوگا اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ دنیا کی ترقی اور تنزل میں اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو ایک بہت بڑا دخل حاصل ہے اگر ہم ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے تو ہم درحقیقت ایک مُردہ خدا کا مجسمہ پوجتے ہیں اور بُت پرستوں سے زیادہ ہماری حیثیت نہیں اور ظاہر ہے کہ مُردہ خدا ایک مُردے گھوڑے کے برابر بھی قیمت نہیں رکھتا کیونکہ مردہ گھوڑے کا چمڑہ اور اس کی ہڈیاں تو کام آسکتی ہیں لیکن مُردہ خدا کی کوئی چیز بھی کسی کام نہیں آسکتی۔ اگر ہم خدا پر یقین رکھتے ہیں تو ہمیں ایک زندہ خدا پر یقین رکھنا ہوگا۔ اور اگر ہم ایک زندہ خدا پر یقین رکھتے ہیں تو ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ وہ اِس دنیا کے روزمرہ کے کاموں میں دخل رکھتا ہے اور ہماری ترقی یا تنزل کے ساتھ اس کی قدرتوں اور فضلوں کا بھی تعلق ہے اور ظاہر ہے کہ اگر ہم یہ یقین رکھیں گے تو پھر ہمیں اپنی کوششوں کے ساتھ اس سے استمداد کرنے کی بھی ضرورت ہوگی۔

پس میں ان نوجوانوں کو جو تعلیم سے فارغ ہوکر اپنی زندگی کے دوسرے مشاغل کی طرف مائل ہونے والے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے قانون کے مطابق سکون حاصل کرنے کی بالکل کوشش نہ کرو بلکہ ایک نہ ختم ہونیوالی جدوجہد کے لئے تیار ہو جاؤ اور قرآنی منشاء کے مطابق اپنا قدم ہر وقت آگے بڑھانے کی کوشش کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے رہو کہ وہ آپ کو صحیح کام کرنے اور صحیح وقت پر کام کرنے اور صحیح ذرائع کو استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور پھر اس کام کے صحیح اور اعلیٰ سے اعلیٰ نتائج پیدا کرے۔

یاد رکھو کہ تم پر صرف اپنے نفس کی ہی ذمہ داری نہیں تم پر تمہارے اس ادارے کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہیں تعلیم دی اور اس خاندان کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہاری تعلیم پر خرچ کیا ہے خواہ بالواسطہ خواہ بلاواسطہ اور اس ملک کی بھی ذمہ داری ہے جس نے تمہارے لئے تعلیم کا انتظام کیا ہے۔ اور پھر تمہارے مذہب کی بھی تم پر ایک ذمہ داری ہے۔ تمہارے تعلیمی ادارے کی جو تم پر ذمہ داری ہے وہ چاہتی ہے کہ تم اپنے علم کو زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھے طور پر استعمال کرو۔ یونیورسٹی کی تعلیم مقصود نہیں ہے وہ منزلِ مقصود کو طے کرنے کے لئے پہلا قدم ہے۔ یونیورسٹی تم کو جو ڈگریاں دیتی ہے وہ اپنی ذات میں کوئی قیمت نہیں رکھتیں بلکہ ان ڈگریوں کو تم اپنے آئندہ عمل سے قیمت بخشتے ہو۔ ڈگری صرف تعلیم کا ایک تخمینی وزن ہے اور ایک تخمینی وزن ٹھیک بھی ہوسکتا ہے اور غلط بھی ہوسکتا ہے محض کسی یونیورسٹی کے فرض کر لینے سے تم کو علم کا ایک تخمینی وزن حاصل ہوگیا ہے۔ تم کو علم کا وہ فرضی درجہ نصیب نہیں جس کے اظہار کی یونیورسٹی ڈگری کے ساتھ کوشش کرتی ہے۔ اگر ایک یونیورسٹی سے نکلنے والے طالبعلم اپنی آئندہ زندگی میں یہ ثابت کر دیں کہ جو تخمینی وزن ان کی تعلیم کا یونیورسٹی نے لگایا تھا اُن کے پاس اس سے بھی

زیادہ وزن کا علم موجود ہے تو دنیا میں اس یونیورسٹی کی عزت اور قدر قائم ہو جائے گی لیکن اگر ڈگریاں حاصل کرنیوالے طالبعلم اپنی بعد کی زندگی میں یہ ثابت کر دیں کہ تعلیم کا جو تخمینی وزن اُن کے دماغوں میں فرض کیا گیا تھا اُن میں اُس سے بہت کم درجہ کی تعلیم پائی جاتی ہے تو یقیناً لوگ یہ نتیجہ نکالیں گے کہ یونیورسٹی نے علم کی پیمائش کرنے میں غلطی سے کام لیا ہے۔ پس تمہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ یونیورسٹیاں اتنا طالبعلم کو نہیں بناتیں جتنا کہ طالبعلم یونیورسٹیوں کو بناتے ہیں۔ یا دوسرے لفظوں میں یہ کہو کہ ڈگری سے طالب علم کی عزت نہیں ہوتی بلکہ طالبعلم کے ذریعہ سے ڈگری کی عزت ہوتی ہے۔ پس تمہیں اپنے پیمانۂ علم کو درست رکھنے بلکہ اُسے بڑھانے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ اور اپنے کالج کے زمانہ کی تعلیم کو اپنی عمر کا پھل نہیں سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ اپنے علم کی کھیتی کا بیج تصور کرنا چاہیئے اور تمام ذرائع سے کام لیکر اس بیج کو زیادہ سے زیادہ بارآور کرنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیئے۔ تاکہ اس کوشش کے نتیجہ میں ان ڈگریوں کی عزت بڑھے جو آج تم حاصل کر رہے ہو۔ اور اس یونیورسٹی کی عزت بڑھے جو تمہیں یہ ڈگریاں دے رہی ہے اور تمہاری قوم تم پر فخر کرنے کے قابل ہو۔ اور تمہارا ملک تم پر اعلیٰ سے اعلیٰ امیدیں رکھنے کے قابل ہو اور ان امیدوں کو پورا ہوتے ہوئے دیکھے۔

تم ایک نئے ملک کے شہری ہو۔ دنیا کی بڑی مملکتوں میں سے بظاہر ایک چھوٹی مملکت کے شہری ہو۔ تمہارا ملک مالدار ملک نہیں ہے ایک غریب ملک ہے۔ دیر تک ایک غیر حکومت کی حفاظت میں امن و سکون میں رہنے کے عادی ہو چکے ہو۔ سو تمہیں اپنے اخلاق اور اپنے کردار بدلنے ہوں گے اور نئے ماحول کے مطابق بنانے ہوں گے۔ تمہیں اپنے ملک کی عزت اور ساکھ دنیا میں قائم کرنی ہوگی، تمہیں اپنے وطن کو دُنیا سے روشناس کرانا ہوگا۔ ملکوں کی عزت کو قائم رکھنا بھی ایک بڑا دشوار کام ہے لیکن انکی عزت کو بنانا اُس سے بھی دشوار کام ہے۔ اور یہی دشوار کام تمہارے ذمہ ڈالا گیا ہے۔ تم ایک نئے ملک کی نئی پود ہو تمہاری ذمہ داریاں پرانے ملکوں کی نئی نسلوں سے بہت زیادہ ہیں۔ انہیں ایک بنی بنائی چیز ملتی ہے۔ انہیں آباؤ اجداد کی روایتیں وراثت میں ملتی ہیں مگر تمہارا یہ حال نہیں ہے تم نے ملک بھی بنانا ہے اور تم نے نئی روایتیں بھی قائم کرنی ہیں، ایسی روایتیں جن پر عزت اور کامیابی کے ساتھ آنے والی بہت سی نسلیں کام کرتی چلی جائیں اور ان روایتوں کی راہنمائی میں اپنے مستقبل کو شاندار بناتی چلی جائیں۔ پس دوسرے قدیمی ملکوں کے لوگ ایک اولاد ہیں مگر تم اُنکے مقابلہ پر ایک باپ کی حیثیت رکھتے ہو۔ وہ اپنے باپ دادوں کو دیکھتے ہیں تم نے اپنے کاموں میں آئندہ آنے والی نسلوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ جو بنیاد تم قائم کرو گے آئندہ آنے والی نسلیں ایک حد تک اُس بنیاد پر عمارت قائم کرنے پر مجبور ہوں گی۔ اگر تمہاری بنیاد ٹیڑھی ہوگی تو اس پر قائم کی گئی عمارت بھی ٹیڑھی ہوگی۔ اسلام کا مشہور فلسفی شاعر کہتا ہے ؎

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا مے رود دیوار کج

یعنی اگر معمار پہلی اینٹ ٹیڑھی رکھتا ہے تو اُس پر

کھڑی کی جانے والی عمارت اگر ثریا تک بھی جاتی ہے تو ٹیڑھی ہی جاتی ہے۔ پس بوجہ اس کے کہ تم پاکستان کی خشتِ اوّل ہو تمہیں اس بات کا بڑی احتیاط سے خیال رکھنا چاہیئے کہ تمہارے طریق اور عمل میں کوئی کجی نہ ہو۔ کیونکہ اگر تمہارے طریق اور عمل میں کوئی کجی ہو گی تو پاکستان کی عمارت ثریا تک ٹیڑھی چلی جائیگی۔

بے شک یہ کام مشکل ہے لیکن اتنا ہی شاندار بھی ہے۔ اگر تم اپنے نفسوں کو قربان کر کے پاکستان کی عمارت کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دو گے تو تمہارا نام اس عزت اور محبت سے لیا جائے گا جس کی مثال آئندہ آنے والے لوگوں میں نہیں پائی جائے گی۔

پس میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنی نئی منزل پر عزم استقلال اور علوِ حوصلہ سے قدم مارتے چلے جاؤ اور اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے قدم بڑھاتے چلے جاؤ کہ عالی ہمت نوجوانوں کی منزلِ اوّل بھی ہوتی ہے، منزل دوم بھی ہوتی ہے، منزل سوم بھی ہوتی ہے لیکن آخری منزل کوئی نہیں ہوا کرتی۔ ایک منزل کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری وہ اختیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ وہ اپنے سفر کو ختم کرنا نہیں جانتے، وہ اپنے رختِ سفر کو کندھے سے اُتارنے میں اپنی ہتک محسوس کرتے ہیں۔ ان کی منزل کا پہلا دَور اس وقت ختم ہوتا ہے جبکہ وہ کامیاب و کامران ہو کر اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر ہوتے ہیں اور اپنی خدمت کی صحیح داد دے سکتا ہے۔ پس اے خدائے واحد کے منتخب کردہ نوجوانو! اسلام کے بہادر سپاہیو! ملک کی اُمیدوں کے مرکزو! قوم کے سپوتو! آگے بڑھو کہ تمہارا خدا، تمہارا دین، تمہارا ملک اور تمہاری قوم محبت اور اُمید کے مخلوط جذبات سے تمہارے مستقبل کو دیکھ رہی ہے ——!

"اب مَیں بیمار اور بڈھا ہوں"

(حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عظیم شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ آپ جماعت احمدیہ کے بزرگ صاحبِ حال ولی اللہ بزرگوں میں سے تھے۔ آپ کی ایک نادر نظم "اب مَیں بیمار اور بڈھا ہوں" ـــــ آپ کے صاحبزادے مکرم سید امین احمد صاحب نے خالد کو مرحمت فرمائی ہے۔ ادارہ اس کرم گستری کے لئے ان کا ممنون ہے۔ نظم کا مرکزی خیال یہی ہے کہ شباب کی قدر کرنی چاہیئے یعنی زیادہ سے زیادہ مجاہدات کا اہتمام کرنا چاہیئے اور عبادات بجا لانی چاہئیں، کیونکہ ایامِ پیری میں جسمانی کمزوری کی بنا پر انسان ریاضت نہیں کر سکتا۔ نوجوانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے! ـــــ (ادارہ)

آپ مسجد میں کیوں نہیں آتے　؎　پنج وقتہ سے کیوں ہیں گھبراتے
کیوں خدا سے نہیں ہیں شرماتے　؎　یہ طریقے ہمیں نہیں بھاتے

اُن کے کہنے پہ مَیں یہ کہتا ہوں
اب مَیں بیمار اور بڈھا ہوں

عید و جمعہ میں بھی کبھی شائد　؎　آپ آتے ہیں شاذ و نادر
ترکِ جمعہ سبیہ دلی زائد　؎　ترکِ عیدین جرم بے فزائد

سُن کے یہ اعتراض کہتا ہوں
اب مَیں بیمار اور بڈھا ہوں

روزے رکھنے سے مل گئی چھٹی　؎　اور بیٹھے نہ اعتکاف کبھی
درسِ قرآں کی حاضری چھوٹی　؎　سارا رمضاں گزر گیا یونہی

ہے یہ سب سچ مگر مَیں کہتا ہوں
اب مَیں بیمار اور بڈھا ہوں

آپ بیٹھے نماز پڑھتے ہیں ؛ آپ لیٹے نماز پڑھتے ہیں
لوگ کیسے نماز پڑھتے ہیں ؛ آپ کیسے نماز پڑھتے ہیں

جیسے پڑھتا ہوں پڑھ ہی لیتا ہوں
اب مَیں بیمار اور بڈھا ہوں

آپ تو جج بھی کر گئے ہیں چٹ ؛ لیکے پنشن نہ واں گئے جھٹ پٹ
اس قدر تو نہیں ہوئے کھوسٹ ؛ سارے اعمال کر دیئے چوپٹ

سٹ پٹا کر مَیں ان سے کہتا ہوں
اب مَیں بیمار اور بڈھا ہوں

میر صاحب کہاں گئے تھے آپ ؛ مدّتوں سے نہیں ہوا تھا ملاپ
ترکِ رسم و داد تو ہے پاپ ؛ ....

جسم اپنا گھسیٹے پھرتا ہوں
اب مَیں بیمار اور بڈھا ہوں

اب تو کھاتا ہوں اور پیتا ہوں ؛ اور کمرے میں اپنے رہتا ہوں
بس فقط اتنا کام کرتا ہوں ؛ موت کا انتظار رکھتا ہوں

تپ سے اور دم کشی سے مرتا ہوں
اب مَیں بیمار اور بڈھا ہوں

مَیں تو آیا یہاں علاج کو تھا ؛ آپ کہتے ہیں مَیں نہیں کرتا
علم کیا اس لئے ہی سیکھا تھا ؛ آپ سے ہم کو فائدہ ہے کیا

مَیں تو نسخہ بھی بھول جاتا ہوں
اب مَیں بیمار اور بڈھا ہوں

.... (یہاں مصرعہ درج نہیں ـــــ (ادارہ)

ارشاداتِ عالیہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ

(مرسلہ۔ مکرم مولانا عبدالرحمٰن صاحب انور پرائیویٹ سیکرٹری حضرت خلیفۃ المسیح الثانی)

ایک معزز احمدی دوست ایک اعلیٰ عہدہ سے ریٹائر ہونے والے تھے۔ انہوں نے حضور ایدہ اللہ بنصرہ کی خدمت میں لکھا کہ وہ عنقریب ریٹائر ہو رہے ہیں۔ پنشن تو ملے گی لیکن ان کا ارادہ فارغ رہنے کا نہیں ہے کسی اور جگہ سروس یا تجارت کا خیال ہے۔ حضور رہنمائی فرمائیں۔ نیز لکھا کہ حضور سے مشورہ لینے کی محرک ان کی ایک خواب ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ خواب میں کوئی ان سے کہہ رہا ہے کہ باوجود اس کے کہ جماعت احمدیہ کے امام کی صحت آجکل اچھی نہیں پھر بھی مخلصین اپنے امام کے مشورہ سے ہی کام کرتے ہیں۔ اس پر حضور نے ارشاد فرمایا:۔

"اگر تجارت کا تجربہ ہے تو بیشک کرلیں ورنہ ملازمت ٹھیک رہیگی۔"

ایک احمدی دوست نے لکھا کہ میں اور میرے ایک دوست اکٹھے دفتر میں کام کرتے ہیں۔ ایک موقعہ پر مذاق مذاق میں میرے دوست ناراض ہو گئے۔ میں نے ان سے الحاح کے ساتھ کئی مرتبہ معافی مانگی ہے لیکن وہ راضی نہیں ہو رہے۔ حضور مجھے ان سے معافی دلا دیں۔ حضور نے فرمایا:۔

"آپ ان کو بتا دیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے تین دن سے زیادہ دل میں ناراضگی رکھنے سے منع فرمایا ہوا ہے"

چنانچہ انہوں نے حضور کے ارشاد کی تعمیل کی۔ اور ا[illegible] کی بعد کی اطلاع یہ موصول ہوئی کہ وہ حضور کا ارشا[illegible] موصول ہوتے ہی ان سے راضی ہو گئے۔"

ایک دوست نے خواب میں دیکھا کہ ان کے وال[illegible] مرحوم نے انگور کی ایک پیٹی بھیجی ہے اس میں ایک چو[illegible] سوراخ کر کے داخل ہو گیا ہے۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں تعبیر کے لئے لکھا۔ حضور نے فرمایا:۔

"چوہے سے مراد منافق ہے۔ دعا، استغفار کریں۔ صدقہ بھی بھیج دیں۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے۔"

قادیان کی ایک مخلص عورت نے خواب میں دیکھا کہ ایک غیر احمدی فوت شدہ عورت کہتی ہے کہ "تہاڈے قادیاں داخلے دے آثار نظر آوندے نے" میں نے کہا مجھے تو پتہ نہیں۔ اس نے کہا "ساری دنیا نوں پتہ اے...

قادیاں فتح اسے تہانوں کیوں پتہ نہیں"۔ حضور ایدہ اللہ بنصرہ نے فرمایا :-

"اللہ تعالیٰ ظاہری طور پر بھی خواب کو پورا کرے اور قادیان مل جائے"۔

ایک نوجوان احمدی دوست نے حضور ایدہ اللہ بنصرہ کی خدمت میں لکھا کہ کچھ عرصہ ہوا انہوں نے خواب دیکھا تھا جو بالکل ٹھیک طور پر پورا ہوا۔ حالانکہ وہ اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتے کہ ان کے خواب پورے ہوں۔ اس پر حضور نے فرمایا :-

"یہ تو خدا تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ وہ جس کو چاہے وقت سے قبل بات بتادے۔ اس میں عمر کا کوئی سوال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں"۔

میلاد اور شب برات کے متعلق ایک عورت نے حضور ایدہ اللہ بنصرہ سے دریافت کیا حضور نے فرمایا :-

"یہ سب بدعتیں ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنا ہر ایک کا کام ہے اور وہ ہم کرتے ہیں"۔

ایک شخص نے لکھا کہ دل پریشان رہتا ہے۔ ایسی دعا بتلائیں جس سے دل اطمینان حاصل کرے۔ حضور نے فرمایا :-

"قرآن کریم کثرت سے پڑھا کریں۔ استغفار بھی کیا کریں"۔

ایک دوست نے حضور ایدہ اللہ بنصرہ کی خدمت میں لکھا کہ ان کے چھوٹے بچے کو کسی نے ہوّے کا نام لیکر سخت ڈرا دیا ہے اب وہ رات کو بھی ڈر کر اٹھ بیٹھتا ہے۔ کوئی تعویذ وغیرہ بتادیں تاکہ وہ نہ ڈرے۔ حضور نے فرمایا :- "دعا کروں گا۔ تعویذ لغو ہے"۔

ایک محترم بزرگ نے عرصہ ہوا خواب دیکھی کہ انکا اُوپر کا سامنے کا ایک دانت ہلتا ہے۔ انہوں نے دوسے انگلی سے پکڑ کر ہلایا تو وہ اُکھڑ گیا۔ انہوں نے اس خواب سے فکر کا اظہار کیا جس پر حضور نے ارشاد فرمایا :-

"اگر دانت زمین پر گرا نہیں گیا اور صاف تھا سڑا ہوا نہ تھا تو خواب بُری نہیں"۔

لطف الرحمٰن محمود　　(بیادگار استقلالِ پاکستان)

قیامِ پاکستان کے لئے حضرت امام جماعت احمدیہ کی گرانقدر مساعی

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کے بعض عظیم الشان کارنامے ایسے بھی ہیں جن کا تعلق عموماً مسلمانانِ عالم اور خصوصاً برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے ملی اور سیاسی مفادات کے تحفظ اور حصول سے ہے۔ حضور کو اسلام، مفادِ اسلام، اور مسلمانانِ عالم سے جو محبت اور ہمدردی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ایک اظہر من الشمس حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی زندگی کے لمحات عملاً اسلام اور مسلمانانِ عالم کی فلاح و بہبود اور ترقی و استحکام کے لئے وقف ہیں۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ تدبیر، تحریر، تقریر، تنظیم اور دیگر وسائل کو بروئے کار لاکر اسلام اور اہلِ اسلام کے مفادات کی حفاظت کرنے میں پیش پیش رہے ہیں۔ اس درد اور جوش کی کیفیت کا اندازہ حضور ہی کے اِن الفاظ سے ہو سکتا ہے:-

"خدا کرے کہ مسلمانوں میں پھر سے اتحاد پیدا ہو جائے اور پھر سے وہ گزشتہ عروج کو حاصل کرنے لگ جائیں اور اسلام کے نام میں وہی رُعب پیدا ہو جائے جو آج سے ہزار بارہ سو سال پہلے تھا۔ مَیں اُس دن کے دیکھنے کا متمنی ہوں اور ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں۔ جب سعودی، عراقی، شامی اور لبنانی، ترک، مصری اور یمنی سو رہے ہوتے ہیں مَیں اُن کے لئے دعا کر رہا ہوتا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے کہ وہ دعائیں قبول ہوں گی۔ خدا تعالیٰ پھر ان کو ضائع شدہ عروج بخشے گا اور پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قوم ہمارے لئے فخر و مباہات کا موجب بن جائے گی۔"

اسی طرح ۱۹۴۷ء کے جلسہ سالانہ منعقدہ لاہور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:-

"ایک نیش ہے جو مجھے آٹھوں پہر بے قرار رکھتی ہے۔ مَیں مسلمانوں کو اُن کے ذلّت کے مقام سے اُٹھا کر عزت کے مقام پر پہنچانا چاہتا ہوں۔ مَیں پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلانا چاہتا ہوں۔ مَیں پھر قرآن کریم کی حکومت کو دُنیا میں قائم کرنا چاہتا ہوں۔ مَیں نہیں جانتا کہ یہ بات میری زندگی

میں ہوگی یا میرے بعد لیکن میں یہ جانتا
ہوں کہ میں اسلام کی بلند ترین عمارت
میں اپنے ہاتھ سے ایک اینٹ لگانا
چاہتا ہوں یا اتنی اینٹیں لگانا چاہتا
ہوں جتنی اینٹیں لگانے کی خدا مجھے
توفیق دیدے ...... میرے جسم کا
ہر ذرہ اور میری روح کی ہر طاقت
اس کام میں خدا تعالیٰ کے فضل سے
خرچ ہوگی اور دنیا کی کوئی بڑی سے
بڑی طاقت بھی میرے اس ارادہ
میں حائل نہیں ہوگی۔"

یہ دعویٰ محض قول ہی نہیں بلکہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ
نے اپنے فعل سے اس کی تصدیق فرمائی ہے۔ حضور نے
مسلمانوں کے مفادات کی حفاظت کے لئے کوئی دقیقہ
فروگذاشت نہیں کیا۔ حضور نے پورے وسائل کو ان
قومی اور ملی مقاصد کے لئے نہایت فراخ دلی سے
صرف فرمایا ہے اور اپنی جماعت کو مسلمانوں کے
مفادات کے لئے تن من دھن کی بازی لگانے پر
ہمیشہ آمادہ رکھا ہے۔ اس کے ثبوت کے طور پر خلافت
ثانیہ کے دور کے متعدد ملی اور سیاسی کارنامے
پیش کئے جا سکتے ہیں جن کے اجمال یا تفصیل کا
اس موضوع سے براہ راست کوئی تعلق نہیں۔ حق تو
یہ ہے کہ مسلمانوں کی خدمت اور ان کے مفادات کے
تحفظ کے لئے کوشش حضور کے کردار کا ایک ایسا
پہلو جو کسی ثبوت یا دلیل کا محتاج ہی نہیں اور شریف النفس
مخالف اصحاب فکر بھی اس کے معترف ہیں۔ اس مضمون
میں مجھے تحریک پاکستان کے ضمن میں کچھ معروضات
پیش کرنا ہیں۔

قیام پاکستان کی اہمیت

پاکستان کا قیام موجودہ سیاسی اور مذہبی
دور کا ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔ یہ دنیا کا واحد
ملک ہے جسے اسلام کے نام پر اسلامی تہذیب کے فروغ
کے لئے حاصل کیا گیا۔ اس اعزاز میں دنیا کی اور کوئی مملکت
پاکستان کی شریک نہیں۔ اس لحاظ سے اپنے دوررس
اثرات کی وجہ سے پاکستان اپنوں اور بیگانوں کی خصوصی
دلچسپی کا مرکز بنا ہوا ہے کیونکہ عملاً اس وقت پاکستان
ہی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا علمبردار ہے۔

نظریۂ پاکستان کا ارتقاء

مشہور سیاح البیرونی (۹۷۳ء تا ۱۰۴۸ء)
نے "الھند" نامی کتاب میں ہندوستان کے
معاشرتی حالات کا تجزیہ کیا ہے جس میں انہوں نے
واشگاف الفاظ میں لکھا ہے کہ ہندو اور مسلمان دو
ایسی قومیں ہیں جن میں کوئی قدر مشترک نہیں۔ مذہب، معاشرت،
رسوم وغیرہ میں نمایاں فرق ہے۔ بلکہ ہندو مسلمانوں کو نفرت
کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ البیرونی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان
دو مختلف قوموں کا اتحاد ممکن نہیں۔ یہی وہ احساس ہے جو
آگے چل کر دو قومی نظریے کی شکل میں رونما ہوئی۔
۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے مسلمانوں کو اپنا

دشمن سمجھ کر عمداً انہیں کمزور سے کمزور تر کرنے کی پالیسی اختیار کر لی۔ ہندوؤں نے بھی اس انتقامی کارروائی میں شرکت کی اور مسلمانوں کی حق تلفی کے منصوبے کو کامیابی سے چلایا جانے لگا۔ ۱۸۶۱ء سے ہندوستان میں آئینی تبدیلیوں کا آغاز ہوتا ہے مگر اس میں مسلمانوں کو نظر انداز کر کے ہندوؤں پر نظر کرم کا اصول مدنظر رکھا گیا۔

۱۸۸۵ء میں چند ہندوستانیوں اور انگریزوں نے جن میں اے۔ آر۔ ہیوم پیش پیش تھا "کانگریس" کی بنیاد رکھی۔ جس کا ابتدا میں مقصد تھا کہ ہندوستانیوں کو حکومت سے تعاون پر ابھارا جائے اور حکومت سے اہل ہند کے لئے حقوق و مراعات حاصل کئے جائیں مسلمان بھی نیک امیدیں وابستہ کر کے کانگریس میں شامل ہوئے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد دور اندیش اہل نظر نے بھانپ لیا کہ کانگریس کو مسلمانوں کے مفادات سے کوئی دلچسپی نہیں وہ تو ہندوستان میں "رام راج" قائم کرنے کے خواب دیکھ رہی ہے جس میں "ملیچھ مسلمانوں" کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوگی۔ سر سید احمد خاں کی شخصیت اس دور میں ابھری۔ انہوں نے مسلمانوں کو "کانگریس" کے مقاصد کا تجزیہ کر کے سمجھایا کہ یہ پارٹی مسلمانوں کے لئے چنداں مفید نہیں۔ اسی دور میں اردو اور ہندی زبان کا مسئلہ پیدا ہو گیا جس پر ہندوؤں اور مسلمانوں کو کھل کر ایک دوسرے کے مقابل ہونا پڑا۔ کانگریس نے ہندی کو دفتری زبان قرار دینے کی تحریک کی پُرزور حمایت کی سر سید نے اردو کی حمایت کی اور مسلمانوں نے ان کا ساتھ دیا۔ اس مسئلہ کی روشنی میں دو قومی نظریہ نمایاں ہو کر سامنے آ گیا یعنی ہندو اور مسلمان دو علیحدہ قومیں ہیں جن کا مذہب، تمدن، زبان، معاشرت وغیرہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اس صورت حال سے متاثر ہو کر ایک مرتبہ بابائے اردو ڈاکٹر مولوی عبدالحق مرحوم نے یہ ذوقی اجتہاد فرمایا تھا کہ "پاکستان نہ اقبال نے بنایا نہ جناح نے بلکہ پاکستان اردو نے بنایا"۔ سر سید نے ان دنوں دو قومی نظریے کا خوب پرچار کیا اور مسلمانوں کو کانگریس سے الگ رہنے کی تلقین کی اپنے رفقاء کو ایک نئی سیاسی انجمن قائم کرنے کی تلقین کی۔ جو ان کی زندگی میں تو معرض وجود میں نہ آسکی لیکن انکے انتقال کے چند سال بعد ۱۹۰۶ء میں ان کے ایک مخلص رفیق مولوی مشتاق حسین وقار الملک ــــــ نے "مسلم لیگ" کی بنیاد رکھی جو دو قومی نظریے کا ادعا لیکر اٹھی اور مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کو اپنا منشور قرار دیا۔ آگے چل کر اس سیاسی پارٹی نے مسلمانان ہند کے لئے ایک علیحدہ وطن اسلام کے نام پر حاصل کیا۔ سر سید احمد خان کی ان خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسی وجہ سے اُن کے کام کو قصر پاکستان کی بنیادی اینٹ قرار دیا جاتا ہے سائمن نے اپنی کتاب "تشکیل پاکستان" میں لکھا ہے:۔

> "سیاست میں سر سید احمد خان نے ہمیشہ کہا کہ مسلمان ایک قوم ہے جو کبھی بھی صرف اکثریت کے اصول پر چلنے والے طریق حکومت میں حصہ نہیں لے سکتی اور نہ ہی لے گی۔ اسلئے پاکستان انہیں اپنے ملک کے بانیوں میں سے ایک تصور کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں"۔

ہندوستان میں دو قومی نظریے کی وجہ سے دو

علیحدہ مملکتوں کے قیام کا تصور دراصل انیسویں صدی ہی میں بعض ذہنوں کے افق پر نمودار ہو چکا تھا۔ ۱۸۸۹ء میں ایک انگریز مصنف تھیوڈور مارلین نے (جو ہندوستانی سیاست کا گہرا مطالعہ کرنے والے مغربی مصنفین میں شمار کیا جاتا ہے۔) اپنی کتاب "سامراجی حکومت" میں لکھا:۔

"مغربی ملکوں میں قومیت کی بنیاد
وطن ہے لیکن ہندوستان میں اس کی
اساس مذہب سمجھا جاتا ہے۔"

اس صورتِ حال کا تجزیہ کر کے وہ لکھتا ہے:۔

"ہندو مسلم تنازعہ کا واحد حل یہی
ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کو آگرے سے
پشاور تک کا علاقہ دے دیا جائے۔
اور ہندوستان کے باقی علاقہ کو
ہندوؤں کے حوالے کر دیا جائے۔"

خود بعض ہندو مصنفین بھائی پرمانند اور لالہ لاجپت وغیرہ نے بھی ابتدائی دور میں "ہندو ہندوستان" اور "مسلم ہندوستان" کی تقسیم کے اصول کو تسلیم کیا۔

۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ نے اجلاس الہ آباد میں دو قومی نظریے کی بنیاد پر علیحدہ وطن کا مطالبہ کیا۔ دس سال بعد لاہور میں واضح الفاظ میں "قرارداد پاکستان" منظور کی گئی! جس کے سات سال بعد پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔

اہلِ ہند کی سیاسی حقوق کیلئے جدوجہد

مسلم لیگ اور کانگریس دونوں اہلِ ہند کے لئے زیادہ سے زیادہ سیاسی حقوق اور مراعات حاصل کرنے کے لئے جدوجہد میں مصروف رہیں۔ ہندوؤں کو مسلم لیگ کا قیام ایک آنکھ نہ بھایا اور "ہندو مہاسبھا" کے نام سے مسلم لیگ کے مقابلہ کے لئے ایک اور پارٹی کو جنم دیا۔ مسلم لیگ نے ابتدائی دور میں مسلمانوں کے لئے ملازمتوں اور تعلیمی اداروں وغیرہ میں جداگانہ نمائندگی کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۱۱ء میں اس ضمن میں حکومت نے مناسب اصلاحات کیں۔ اس دور میں مسلم لیگ نے "جداگانہ انتخاب" پر بھی زور دیا۔ اس کے برعکس ہندوؤں نے مخلوط انتخاب کی پُرزور حمایت کی۔ جداگانہ انتخاب کے لئے جدوجہد اس دور میں مسلم لیگ کا ایک اہم کارنامہ ہے۔

جنگِ عظیم اوّل میں اہلِ ہند نے انگریزوں کے لئے بڑی قربانیاں پیش کی تھیں۔ اس سے متاثر ہو کر انگریزی حکومت کی طرف سے وزیر ہند مسٹر مانٹیگو نے اعلان کیا کہ

"ہندوستانیوں کو آہستہ آہستہ تمام
اختیارات سونپ دیئے جائیں گے۔"

چنانچہ ۱۹۱۹ء میں "گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ" کے تحت کچھ بنیادی تبدیلیاں معرضِ وجود میں آئیں اور ہندوستانیوں کو بعض وزارتیں مل گئیں۔

اسی دور میں خلافتِ ترکیہ کے حق میں تحریکِ خلافت چلائی گئی جس میں کانگریس بھی شریک ہوئی اور "ترکِ موالات" کا فیصلہ کیا۔ جس میں سرکاری ملازمتوں، سرکاری درسگاہوں، کونسلوں اور بدیسی کپڑے کا بائیکاٹ کیا گیا۔ تحریکِ ہجرت کی وجہ سے ۱۸ ہزار مسلمان افغانستان چلے گئے۔

۱۹۲۹ء میں کانگریس نے لاہور کے اجلاس میں

پنڈت جواہرلال نہرو کی صدارت میں مکمل آزادی کا ریزولیوشن پاس کر لیا۔

کانگریس ابتداء سے اِس بات کی مدعی تھی کہ وہ ساری اقوام کی نمائندہ ہے۔ خود جناب قائدِ اعظم اس کے سرگرم رُکن تھے بلکہ انہوں نے مسلم لیگ اور کانگریس کے اتحاد کے لئے بڑا کام کیا۔ لیکن آخر کار اُن پر بھی "رازِ درونِ خانہ" کھل گیا کہ وہ رام راج کے قیام کیلئے جدوجہد میں مصروف ہے تو وہ بیزار ہو کر کانگریس سے علیحدہ ہو گئے اور مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور بعدازاں انگلستان سے واپس آکر سنہ ۱۹۳۳ء میں مسلم لیگ کی صدارت سنبھال لی۔ جناب قائدِ اعظم نے گویا ازسرِ نو مسلم لیگ کی تشکیل کی اور اس میں نئی رُوح پھونک دی۔

اسی اثناء میں ۱۹۳۵ء میں گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ کی رُو سے اہلِ ہند کو مزید مراعات حاصل ہو گئیں اور آزادی کی تمنّا جوان ہو گئی۔ لیکن اِس ایکٹ کی رُو سے ۱۹۳۷ء میں ہونے والے انتخابات میں ہندو اکثریت کے صوبوں میں جب کانگریس نے وزارتیں بنائیں تو وہاں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کرنا شروع کر دیا۔ "بندے ماترم" کا مشرکانہ ترانہ مسلمانوں کے لئے بھی لازمی کر دیا گیا۔ سکولوں میں "وردھا سکیم" کے تحت گاندھی جی کی تصویر کی پُوجا لازمی کر دی گئی اور مسلمان بچوں کے لئے بھی یہ لازمی کر دیا گیا۔ اِس پر پھر بلوے شروع ہوئے —— اور مسلمانوں کی اکثریت اِس نہج پر سوچنے لگی کہ اگر کانگریس کو مکمل اختیارات مل گئے اور مسلمانوں کو اُن کے ماتحت رہنا پڑا تو پھر کیا ہوگا؟ اِس صورتِ حال نے جداگانہ مملکت کے تصور کو تقویت دی مگر احرار اور کانگریس کے دوش بدوش جماعتِ اسلامی وغیرہ تصورِ پاکستان کے بدستور مخالف رہے۔

اب مسلم لیگ کے پرچم کے سائے تلے مسلمانانِ ہند نے پورے جوش و خروش کے ساتھ جدوجہد شروع کر دی حتّٰی کہ سنہ ۱۹۴۰ء میں لاہور کے منٹو پارک میں مسلم لیگ نے اپنے جلسے میں قراردادِ پاکستان منظور کی۔

قراردادِ پاکستان کے خلاف ردِّ عمل

قراردادِ پاکستان کے پیش ہونے کی دیر تھی کہ ملک میں ہندوؤں نے ایک طوفانِ بدتمیزی مچا دیا۔ ہر طرف سے طعن و تشنیع کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ سرکاری حلقوں نے بھی ناک بھوں پڑھائی۔ اور تو اور خود اُن مسلمانوں نے جو کانگریس سے وابستہ تھے مثلاً "مجلس احرار اسلام" وغیرہ نے مسلم لیگ، قائدِ اعظم اور نظریۂ پاکستان کی خوب جی کھول کر مذمت کی۔

سنہ ۱۹۴۲ء میں لارڈ لنلتھگو اور سنہ ۱۹۴۳ء میں لارڈ ویول نے صاف الفاظ میں متنبہ کر دیا تھا کہ "ہندوستان کی وحدت کسی بھی قیمت پر نہیں توڑی جا سکتی" اسی طرح وزیر اعظم برطانیہ نے بھی قراردادِ پاکستان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:-

> "کسی اقلیت کو اجازت نہیں دی جائیگی
> کہ وہ اکثریت کی ترقی کے راستے میں
> روک بن جائے۔"

پنڈت نہرو نے اپنی کتاب "میری کہانی" میں مسلم قومیت

مسلم تہذیب، اور علیحدہ مسلم مملکت کا جس طرح مذاق اڑایا ہے وہ حد درجہ افسوسناک ہے۔ مذہب کے متعلق پنڈت جی نے لکھا ہے :-

"جس چیز کو مذہب یا منظّم مذہب کہتے ہیں اُسے ہندوستان میں یا دوسری جگہ دیکھ کر میرا دل ہیبت زدہ ہو گیا ہے۔ میں نے اکثر مذہب کی مذمّت کی اور اُسے یکسر مٹا دینے تک کی آرزو کی ہے۔ قریب قریب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اندھے یقین اور ترقی دشمنی کا، بے دلیل عقیدت و تعصّب کا، توہم پرستی اور لوگوں سے بے جا فائدہ اٹھانے کا، قائم شدہ حقوق کی بقاء کا حامی ہے۔" (میری کہانی ص۱۶۱)

مسلم قومیت کے متعلق لکھتے ہیں :-

"مسلم قوم کا تخیّل تو صرف چند لوگوں کی مَن گھڑت اور مخصوص پرواز خیال ہے۔" (ایضاً ص۱۶۱)

مسلم تہذیب کے متعلق اِن الفاظ میں تمسخر کیا ہے :-

"مَیں نے یہ سمجھنے کی بہت کوشش کی کہ یہ اسلامی تہذیب کیا ہے۔ لیکن مَیں اعتراف کرتا ہوں کہ مَیں اس میں کامیاب نہیں ہوا۔ نمایاں ترین علامتیں عوام میں دیکھ پائی ہیں۔ یعنی ایک خاص قسم کا پاجامہ زیادہ لمبا نہ زیادہ چھوٹا، ایک خاص طریقے سے مونچھوں کو مونڈنا یا ترشوانا مگر داڑھی کو بڑھنے کے لئے چھوڑ دینا اور ایک خاص قسم کی ٹونٹی والا لوٹا۔" (میری کہانی ص۴۷۱)

اس نازک دور میں جب مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ، سرمایہ دار ہندو اور برطانوی سامراج کے متحدہ محاذ سے نبرد آزما تھی۔ "احرار اسلام" نے برصغیر ہندو پاک کے مسلمانوں کو مارِ آستین بن کر ڈسنے میں کمی نہ کی۔ اور اس جُرم پر آنے والا پاکستانی مؤرخ اگر احرار کو معاف کر دے تو یہ اُس کی بدترین پیشہ ورانہ خیانت ہو گی۔ پاکستان کو "پلیدستان" کہنے والے (خطبات احرار ص۸۲) احرار کے نظریات کی جھلک اِن چند اقتباسات میں دیکھی جا سکتی ہے :-

۱- "احرار کا وطن لیگی سرمایہ دار کا پاکستان نہیں۔" (خطبات احرار ص۹۹)

۲- "یہ ہیں مسلمانوں کے قائدِ اعظم جو ایک پارسی عورت سے کورٹ شپ کی شادی کرنے کے لئے اپنے کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا حتمی اعلان کر چکے ہیں۔" (مسٹر جناح کا اسلام ٹائیٹل پیج ص۹)

۳- "مسٹر جناح نے ایک بے درد دہشت پسند کی طرح ہمارے درمیان ایک بم پھینکا ہے۔ جس سے انتشار اور ابتری پیدا ہو گی۔ کٹّر قوم پرست جناح اوّل درجہ کا

فرقہ پرست بن چکا ہے۔" (پاکستان اور چھوت مٹ ۔ افضل حق)

یاد رہے یہ ساری گالیاں جناب قائدِ اعظم کو اسلئے مل رہی ہیں کہ انہوں نے علیحدہ قومیت کی بنا پر پاکستان کا مطالبہ کیوں کر دیا؟ وہی مطالبۂ پاکستان جسے احرار آزادیٔ ہند کی راہ میں روڑا سمجھتے تھے۔ ان دنوں "ملاپ" اخبار کے نامہ نگار نے احراری لیڈروں سے ملاقات کے بعد اپنے تاثرات یوں درج کئے:۔

"بہت سے احراری لیڈروں سے ملاقات کی اُن کا کہنا ہے کہ مسٹر جناح اُن کی مسلم لیگ اور مطالبۂ پاکستان ہندوستان کی آزادی کی راہ میں ایک روڑا ہے۔"

(ملاپ ۱۳ اگست ۱۹۴۴ء)

ان مشکلات کے باوجود مسلم لیگ داخلی اور خارجی دشمنوں سے نبرد آزما رہی۔ حتیٰ کہ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ نے سو فیصد نشستیں جیت کر ثابت کر دیا کہ یہی جماعت در اصل مسلمانوں کی نمائندگی کا حق رکھتی ہے۔

اس کے بعد ہندوستان کی مخلوط وزارت کا قیام ہوا جس میں مسلمانوں کی نمائندگی چار مسلم لیگی وزراء نے کی۔ اس کے بعد خضر حیات وزارت کا استعفیٰ قیامِ پاکستان کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت کا حامل واقعہ ہے۔ اس مرحلہ کے بعد پاکستان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو گیا اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو مقدور بھر مخالفت کے باوجود مسلمانانِ ہند کے سامنے جھکنا پڑا۔

حضرت امام جماعت احمدیہ کی گرانقدر مساعی کا جائزہ

نظریۂ پاکستان کے ارتقاء اور اس خواب کے شرمندۂ تعبیر ہونے کی کہانی کو مختصر اشارات کی زبان میں بیان کر دینے کے بعد اب میں اس پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا کہ کس طرح ہر اہم مرحلے پر سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہ نے مسلمانوں اور مسلم لیگ کی راہ نمائی فرمائی۔ صرف راہ نمائی ہی نہیں فرمائی بلکہ اخلاقی، مالی، آئینی اور عملی مدد سے اس کی قوت میں نمایاں اضافہ کیا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زندگی کے اس پہلو کا اگر مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ حضور نے ہر سیاسی انجمن اور قومی اور ملی مسئلہ کے وقت مسلمانانِ ہند کی راہ نمائی فرمائی اور ان کے مفادات کے تحفظ کے لئے ذی اثر طبقات تک آواز پہنچائی اور یہ کسی لالچ یا مقصد برآری کے لئے نہیں تھا بلکہ محض مسلمانانِ عالم اور اسلام کی ہمدردی کے لئے!!

۱۔ دو قومی نظریے کی حمایت

دو قومی نظریہ ہی در اصل "پاکستان" کا محرک ہے۔ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے علمبردار ہونے کی حیثیت سے حضور اسلام کی فضیلت اور مسلم قوم کی اہمیت کو ہمیشہ واضح کرتے رہے ہیں اور ہندوستان میں سیاسی اہمیت کے پیشِ نظر مختلف مواقع پر دو قومی نظریے کی بزور حمایت فرمائی۔ تحریر اور تقریر کے ذریعے اس کے بھی اس نظریے کی اشاعت کے لئے جدوجہد کی جب

بعض مسلمان عمائدین متحدہ قومیت کے قائل ہو چکے تھے۔ طوالت کے خوف سے اس پہلو کی تفصیلات میں جانا مشکل ہے۔

۲۔ مانٹیگو چیمسفورڈ رپورٹ پر تبصرہ

۲۰ر اگست ۱۹۱۷ء کو وزیر ہند نے ہندوستانیوں کو تدریجاً حقوق دینے کا اعلان کیا تھا اور ہندوستان آکر اُس نے یہاں کے سیاسی حالات کا مطالعہ کیا اور چیمسفورڈ کے مشورے سے رپورٹ لکھی جس میں انگریزوں کے ایک بڑے طبقے کی اس رائے پر زور دیا کہ ہندوستانی چونکہ پس ماندہ قوم ہیں اس لئے انہیں سردست حکومت چلانے کے اختیارات نہیں دینے چاہئیں۔ اس غلط فہمی کا حضور نے ایک پُر مغز معلوماتی مقالے میں، جس کی وسیع اشاعت کی گئی، ازالہ فرمایا اور دلائل و حقائق سے ثابت فرمایا کہ ہندوستانیوں میں اختیارات کو حاصل کرنے اور انہیں کما حقہٗ بروئے کار لانے کی استعداد موجود ہے۔ اس مقالے پر انگریزوں کے پھیلائے ہوئے وساوس کا ازالہ ہو گیا۔ مزید برآں ۱۵ر نومبر ۱۹۱۷ء کو جماعتِ احمدیہ کے وفد نے حضور کی قیادت میں مسٹر مانٹیگو سے ملاقات کی اور مسلمانوں کے مفادات کو مدّنظر رکھنے کی اپیل کی۔

۳۔ تحریک خلافت اور ترکِ موالات کے موقع پر مسلمانوں کی راہنمائی

۱۹۱۸ء میں حکومت ترکیہ کے انہدام پر خلیفہ کے اختیارات بہت کم کر دیئے گئے۔ مسلمانوں نے خلیفۂ ترکی کے احترام کو دوبارہ بحال کرنے کے لئے ایک تحریک شروع کی جس میں گاندھی جی بھی شامل ہو گئے۔ کانگرس کی شمولیت کی وجہ یہ تھی کہ اس طرح شاید مسلمان متحدہ قومیت پر متحد ہو جائیں۔ گاندھی جی کا سازشی پہلو یہ تھا کہ مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت پر اُبھارا جائے تا ہندوستان میں مسلمانوں کی طاقت اور بھی کم ہو جائے۔ یہ بڑا ہی نازک مرحلہ تھا کیونکہ مسلمان زعماء گاندھی جی کے جھکّے میں آ گئے تھے بلکہ ان کی تعریف میں رطب اللّسان تھے۔ مسلمان زعماء نے گاندھی جی کو "امام مہدی"، "مجدّد زمان" اور "نبی بالقوۃ" کہنا شروع کر دیا۔ اور مسلمان پُرجوش تقاریر سے متاثر ہو کر تباہی کے گڑھے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اس موقع پر حضور نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ اس بارے میں اسلام کی تعلیمات کیا ہیں۔ تحریکِ ہجرت کے موقع پر جذباتی مسلمانوں نے لاکھوں روپے کی جائدادیں ہندوؤں کے ہاتھ اونے پونے بیچ دیں اور افغانستان چلے گئے مگر وہاں سے تباہ حال ہو کر واپس آئے۔ اگرچہ مالی نقصان ضرور ہوا مگر مقامِ شکر ہے کہ آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

اسی طرح کانگرس نے ۱۹۲۰ء میں **عدم تعاون** کی تحریک چلائی اور ہندوؤں اور مسلمانوں پر زور دیا کہ انگریزی عدالتوں اور ملازمتوں کو ترک کر دیا جائے سرکاری تعلیمی اداروں سے انقطاع کر لیا جائے۔ چونکہ یہ طریق کار غیر اسلامی بھی تھا اور ہزاروں مسلمان نوجوانوں کی تعلیم اور مستقبل کا سوال تھا اس لئے حضور نے ایک ضخیم کتاب "ترکِ موالات اور احکام اسلام" لکھی جس میں قرآن مجید حدیث اور قدیم مسلمانوں کے طرزِ عمل سے ثابت کیا کہ یہ

تحریک غیر اسلامی ہے۔ یہ ہندو ذہن کی گہری سازش تھی۔ بعد میں انہوں نے حکومت سے تعاون کرنا شروع کر دیا تاہم حضور نے اس نازک مرحلے پر بھی مسلمانوں کو متوجہ کیا کہ پہلے ہی مسلمانوں کے حقوق کا اتلاف ہو رہا ہے، یہ اقدام کر کے اور نقصان نہ پہنچائیں۔

۴۔ سائمن کمشن کے بارے میں راہنمائی

۱۹۲۷ء میں مسٹر جان سائمن کی صدارت میں سات افراد پر مشتمل ایک کمشن ہندوستان کے حالات کا جائزہ لینے آیا۔ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں نے اس کا بائیکاٹ کر دیا لیکن حضرت امام جماعت احمدیہ نے مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ کانگریس کو اس کمشن سے تعاون کرنے کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ ان کے مطالبات سے انگریز خوب واقف ہیں لیکن مسلمانوں کو اپنے مطالبات پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب نے مسلمانوں کے مطالبات نہایت احسن پیرائے میں کمشن کے سامنے رکھے۔ تھوڑا عرصہ بعد ہندوؤں نے ۱۲ اگست ۱۹۲۸ء کو نام نہاد "آل پارٹیز کانفرنس" کر کے "نہرو رپورٹ" میں اپنے مطالبات پیش کر دیئے۔ حضور نے اس رپورٹ کا تجزیہ کر کے مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے مسلمانوں کے مفادات کی ترجمانی کی۔ چوہدری صاحب موصوف نے اس کمیشن کے سامنے جداگانہ انتخاب پر بھی زور دیا۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے بھی شملہ میں ان دنوں مسلمانوں کی کانفرنس میں جداگانہ انتخاب کی اہمیت پر زور دیا اور مسلمان زعماء کو اس کی افادیت کا قائل کر لیا جس کا خود جناب قائد اعظم کو بھی احساس تھا۔

۵۔ "ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل"

حضور نے محسوس کیا کہ نومبر ۱۹۳۰ء میں ہونے والی پہلی گول میز کانفرنس میں سائمن کمشن کی رپورٹ پر غور کیا جائے گا۔ حضور نے مسلمانوں کے نقطۂ نظر کی توضیح و تشریح کے لئے اس رپورٹ پر تبصرہ کیا جسے "ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل" کے نام سے انگریزی و اردو میں شائع کیا گیا۔ کتاب کا انگریزی ترجمہ وسیع پیمانے پر سیاسی لیڈروں تک پہنچایا گیا۔ مسلم اور انگریز سیاستین نے اس کتاب کی اہمیت تسلیم کی اور اسے ہندوستانی مسلمانوں کی بہت بڑی خدمت قرار دیا گیا۔

۶۔ جناب قائد اعظم کو دوبارہ مسلمانوں کی فعال قیادت سنبھالنے کے لئے تحریک۔

لندن مشن کا ایک اہم کارنامہ

جناب قائد اعظم نے ابتدائی دور میں ہندوستان میں مقدور بھر کوشش کی کہ ہندو مسلم اتحاد ہو جائے (میثاق لکھنؤ ۱۹۱۶ء) ان کی اس قسم کی مساعی کی ایک مثال ہے اس کے باوجود کچھ عرصہ بعد آپ کچھ مایوس ہو گئے اور بد دل ہو کر مستقل سکونت کی نیت سے انگلستان چلے گئے۔ قائد اعظم کی قیادت سے محرومی مسلم قوم کے لئے بڑی مضرت رساں ثابت ہو سکتی تھی۔ حضور کے ایماء پر امام مسجد لندن حضرت مولانا درد نے جناب قائد اعظم کو ہندوستان کی سیاسی راہنمائی کی طرف متوجہ کیا۔ چنانچہ قائد اعظم واپس

تشریف لے آئے۔ جناب قائدِ اعظم اس فیصلہ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"مَیں مایوس ہو چکا تھا۔ مسلمان بے سہارا اور ڈانواں ڈول ہو رہے تھے۔ کبھی حکومت کے یارانِ وفادار انکی رہنمائی کے لئے آموجود ہوتے، کبھی کانگریس کے نیازمندان خصوصی ان کی قیادت کا فرض ادا کرنے لگتے۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ مَیں ہندوستان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ نہ ہندو ذہنیت میں کوئی خوشگوار تبدیلی لا سکتا ہوں نہ مسلمانوں کی آنکھیں کھول سکتا ہوں۔ آخر لندن میں بود و باش کا فیصلہ کر لیا ——— چار پانچ سال کے قیام کے بعد مَیں نے دیکھا کہ مسلمان خطرے میں گھرے ہوئے ہیں۔ آخر مَیں نے رختِ سفر باندھا اور ہندوستان پہنچ گیا۔"

(نقوش آپ بیتی نمبر ص۳)

ان دنوں جماعت احمدیہ کا لندن مشن اور مسجد مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے کوششوں کا مرکز بن چکی تھی۔ اقبال اور دوسرے مسلم زعماء وہاں جاتے اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے مشورے کرتے۔ چنانچہ جناب قائدِ اعظم نے بھی ۱۶ اپریل ۱۹۳۳ء کو "Future of India" کے موضوع پر خطاب کیا۔ بعد میں ہندوستان واپس تشریف لے آئے۔ اہمیت کے پیشِ نظر حضرت مولانا درد کی جناب قائدِ اعظم سے اس ملاقات کا تذکرہ انہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمایئے۔ مولانا فرماتے ہیں:۔

"یہ بھی حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ قائدِ اعظم نے انگلستان سے ہندوستان واپس آکر مسلمانوں کی قیادت سنبھالی اور اس طرح بالآخر ۱۹۴۷ء میں پاکستان معرضِ وجود میں آیا...... جب مَیں ۱۹۳۳ء میں امام مسجد لندن کے طور پر انگلستان پہنچا تو اس وقت قائدِ اعظم انگلستان میں ہی سکونت رکھتے تھے وہاں مَیں نے ان سے تفصیلی ملاقات کی اور انہیں ہندوستان واپس آکر سیاسی لحاظ سے مسلمانوں کی قیادت سنبھالنے پر آمادہ کیا۔ مسٹر جناح سے میری یہ ملاقات تین چار گھنٹے تک جاری رہی۔ مَیں نے انہیں آمادہ کر لیا کہ اگر اس آڑے وقت میں جبکہ مسلمانوں کی راہنمائی کرنے والا اور کوئی نہیں ہے انہوں نے ان کی پھنسی ہوئی کشتی کو پار لگانے کی کوشش نہ کی تو اس قسم کی علیحدگی قوم کے ساتھ بے وفائی کے مترادف ہو گی۔ چنانچہ اس تفصیلی گفتگو کے بعد آپ مسجد احمدیہ لندن

میں تشریف لائے اور وہاں باقاعدہ ایک تقریر کی جس میں ہندوستان کے مستقبل کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد قائد اعظم انگلستان کو خیرباد کہہ کر ہندوستان واپس آئے۔ مسلم لیگ کو منظم کیا۔"
(الفضل یکم جنوری ۱۹۵۵ء صفحہ ۱۳)

۷۔ مسلم لیگ کی آئینی، اخلاقی اور مالی امداد

حضور سمجھتے تھے کہ مسلم لیگ ہی ہندوستانی مسلمانوں کی صحیح رنگ میں سیاسی خدمت کر رہی ہے۔ اس لئے حضور نے ہمیشہ مسلم لیگ کی آئینی، اخلاقی اور مالی امداد فرمائی اور مسلم لیگ کے استحکام کے لئے مقدور بھر کوشش فرمائی۔ جماعت احمدیہ کی مسلم لیگ سے یہ وابستگی اور خصوصی تعلق بالکل واضح تھا جس کا واقف کار مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی علم تھا۔ ارجن سنگھ عاجز نے سیر قادیان میں اس تعلق پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

"احمدیہ جماعت مسلم لیگ کے طرز عمل کی حامی ہے۔ چنانچہ ذمہ وار احمدیوں سے تبادلہ خیالات کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے مسلم لیگ کے مقاصد کی خاطر ہزارہا روپیہ خرچ کرنے کے علاوہ اپنی تمام کوششیں مسلم لیگ کی کامیابی کے لئے وقف رکھی ہوئی ہیں۔" (سیر قادیان صفحہ ۲۵-۲۶)

بحوالہ تاریخ احمدیت جلد ۵ صفحہ ۴۶۵)

پھر عام انتخابات میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے مسلم لیگ کی مکمل امداد کرنے کی تلقین فرمائی۔ حضور نے احمدیوں کے نام خصوصی پیغام میں فرمایا:۔

"آئندہ انتخابات میں ہر احمدی کو مسلم لیگ کی پالیسی کی تائید کرنی چاہیئے تاکہ انتخابات کے بعد مسلم لیگ بلا خوف تردید کانگریس سے یہ کہہ سکے کہ وہ مسلمانوں کی نمائندہ ہے۔ اگر ہم اور مسلمانوں کی دوسری جماعتیں ایسا نہ کریں گی تو مسلمانوں کی سیاسی حالت کمزور ہو جائیگی۔ اور ہندوستان کے آئندہ نظام میں ان کی آواز بے اثر ثابت ہوگی اور ایسا سیاسی اور اقتصادی دھکا مسلمانوں کو لگے گا کہ اور چالیس پچاس سال تک ان کا سنبھالنا مشکل ہو جائیگا۔ ..... پس میں اس اعلان کے ذریعہ تمام صوبہ جات کے احمدیوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پر پورے زور اور قوت کے ساتھ آئندہ انتخابات میں مسلم لیگ کی مدد کریں۔"
(تاریخ مسلم لیگ از رئیس احمد جعفری صفحہ ۴۵۲)

یہاں فاضل مصنف جناب رئیس احمد جعفری کا وہ اقتباس پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا جس میں انہوں نے

حضرت امام جماعت احمدیہ کی قیام پاکستان کے ضمن میں گرانقدر خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ آپ نے اپنی کتاب میں ایک پورا باب" اصحاب قادیان اور پاکستان" کے عنوان سے لکھا ہے۔ اس باب کے آخر میں مولانا لکھتے ہیں :-

"مسلم قوم کی مرکزیت، پاکستان یعنی ایک آزاد اسلامی حکومت کے قیام کی تائید ـــــ مسلمانوں کے یاس انگیز مستقبل پر تشویش ـــــ عامۃ المسلمین کی صلاح و فلاح، نجاح و مرام کی کامیابی ـــــ تفریق بین المسلمین کے خلاف برہمی اور غصہ کا اظہار کون کر رہا ہے؟ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور جماعت حزب اللہ کا داعی اور امام الہند؟ نہیں۔ پھر کیا جانشین شیخ الہند اور دیوبند کا شیخ الحدیث؟ وہ بھی نہیں۔ پھر کون ہے؟ وہ لوگ جن کے خلاف کفر کے فتووں کا پشتارہ موجود ہے، جن کی نامسلمانی کا چرچا گھر گھر ہے۔ جن کا ایمان اور عقیدہ مشکوک، مشتبہ اور محل نظر ہے۔ کیا خوب کہا ہے ایک شاعر نے :-

کامل اس فرقۂ زہاد سے اٹھا نہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندان قدح خوار ہوئے"

(تاریخ مسلم لیگ از رئیس احمد جعفری صفحہ ۴۵۳-۴۵۴)

۸- عبوری حکومت میں شرکت کے موقع پر راہنمائی

۱۹۴۶ء میں عبوری حکومت کے قیام کے موقع پر مسلم لیگ نے مخلوط وزارت میں شرکت سے انکار کر دیا۔ حضور نے اس خطرہ کو محسوس فرمایا کہ کانگریس چند "ٹوڈی" مسلمانوں کو مسلمانان ہند کا نمائندہ ظاہر کر کے اپنے مطلب کے مسلمانوں کو آگے لے آئے گی۔ حضور نے اس خطرے کے پیش نظر دہلی کا سفر اختیار فرمایا اور مسلمان زعماء سے ملاقاتیں کر کے اس بات پر راضی کر لیا کہ صرف قائد اعظم ہی اس موقع پر قیادت فرمائیں۔ چنانچہ حضور کی کوششوں سے مخلوط وزارت میں مسلم لیگ میں شرکت کی۔ اور لیاقت علی خان، راجہ غضنفر علی خان، اسمٰعیل چندریگر اور عبدالرب نشتر نے شمولیت اختیار کی۔ یہ اقدام قیام پاکستان کے راستے میں سنگ میل کا حکم رکھتا ہے کیونکہ اس طرح کانگریس کی سازش ناکام ہو گئی۔

(تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو "قیام پاکستان و جماعت احمدیہ" صفحہ ۴۲ - از مولانا جلال الدین صاحب شمس)

۹- یونینسٹ وزارت کا استعفیٰ

پنجاب کی یونینسٹ وزارت قیام پاکستان

کے راستے میں ایک بڑا روڑا تھی۔ اس وجہ سے مسلمان بڑے پریشان تھے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ایماء پر خضر حیات نے اپنی وزارت کا استعفیٰ پیش کر دیا۔ (ٹریبیون ۵ مارچ ۱۹۴۷ء) جس پر مسلمانوں نے بڑی مسرت کا اظہار کیا۔ اور وہی مسلمان جو خضر حیات کو گالیاں دے رہے تھے یہ نعرے لگانے لگے ؎

"تازہ خبر آئی ہے
خضر ہمارا بھائی ہے"

اس عظیم الشان خدمت پر اظہارِ تشکر کرتے ہوئے جناب قائد اعظم نے مولانا درد سے فرمایا تھا۔

"I can never forget it"

"میں اسے کبھی نہیں بھول سکتا"

۱۰۔ تقسیم پنجاب کے مرحلہ میں مسلم لیگ کے کیس کی مضبوطی کے لئے تعاون۔

دوسرے انگریزوں کی طرح لارڈ ماؤنٹ بیٹن بھی دل سے تقسیم ہند کے قائل نہ تھے۔ مگر حالات نے انہیں مجبور و بے بس کر دیا۔ انہوں نے اس مرحلے پر بھی مسلمانوں کی حق تلفی کر کے اپنی بھڑاس نکالی۔ چنانچہ فیصلہ ہوا کہ ملک کی تقسیم کے ساتھ بنگال اور پنجاب کی تقسیم بھی ہو۔ مشرقی پنجاب اور مغربی بنگال کو بھارت میں شامل کر دیا گیا اور مغربی پنجاب اور مشرقی بنگال کو پاکستان میں۔ اس کے بعد سلہٹ اور صوبہ سرحد نے بھی پاکستان میں شمولیت کے حق میں ووٹ دیا۔ دونوں ملکوں کی سرحدیں متعین کرنے کے لئے "باؤنڈری کمشن" مقرر ہوا جس کے صدر سر سائرل ریڈکلف تھے۔ دونوں حکومتوں نے ان کا فیصلہ قبول کرنے کا فیصلہ کیا ہوا تھا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ نے ریڈکلف ایوارڈ میں جانب داری کے خطرے کو محسوس کر کے پوری کوشش کی کہ گورداسپور کا ضلع جو مسلم اکثریت کا ضلع ہے ضرور پاکستان میں شامل ہو۔ اس غرض کیلئے وزیر اعظم برطانیہ کو تار دیئے گئے۔ خود مسلم لیگ کے ایماء پر باؤنڈری کمشن میں جماعت نے پیش ہو کر اس مطالبہ کا اعادہ کیا۔ مگر افسوس کہ ریڈکلف کی بندر بانٹ کا ابتلاء مسلمانانِ ہند کے لئے مقدر تھا جسے مجبوراً پاکستان نے قبول کر لیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ جماعت احمدیہ نے اس مرحلہ پر مسلم لیگ کی مقدور بھر مدد کی جس کا ملک کی ذمہ دار شخصیتوں، اخبار نویسوں اور معقولوں نے اعتراف کیا ہے۔

یہ ہیں قیام پاکستان کے کٹھن سفر کی چند منزلیں! ——— آپ حضور کو ہر موڑ پر پائیں گے!! مسلمانانِ ہند کے علیحدہ وطن کے لئے آپ کس خلوص اور استقلال سے سرگرم عمل رہے ہیں۔ اس لئے کہ آپ پاکستان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن سمجھتے ہیں +

ادارہ

حال ہی میں الفضل میں ایک مضمون "جماعتی اتحاد کی قدر و قیمت" کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ مضمون نگار جماعت کے ایک بالغ نظر مفکر اور بظاہر دین اور مذہب سے گہری واقفیت رکھنے والے عالم اور مشہود صاحبِ قلم ہیں۔ ہمیں اُن سے نسبتِ تلمذ بھی ہے۔ اِس لحاظ سے ہمارے دل میں محبت اور احترام کے جذبات کا ہونا ایک طبعی امر ہے۔ اِس مضمون میں فاضل مضمون نگار نے سیدنا حضرت ہارون علیہ السلام کے ایک قرآنی مکالمے سے ذوقی اجتہاد فرمایا ہے۔ متعدد احباب نے اِس اجتہاد پر استعجاب کا اظہار کیا ہے اور ادارے کو اس کا نوٹس لینے کی طرف متوجہ کیا ہے! ادارۂ خالد کو بھی اس استدلال سے اختلاف ہے۔ شریعت نے دینی امور اور عقائد وغیرہ میں والدین سے بھی اختلاف رائے کی اجازت دی ہے۔ اساتذہ کرام بھی چونکہ اسی ذیل میں آتے ہیں اس لئے ہم فاضل مصنف سے ادب کے ساتھ اختلافِ رائے کی اجازت چاہتے ہیں۔

اصل معروضات پیش کرنے سے قبل اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ ہر مخلص مومن جماعتی اتحاد کی قدر و قیمت اور اس کی اہمیت کا قائل ہے اور اِس بابرکت نعمت کا دل سے قدردان ہے۔ اِس میں کیا شبہ ہے کہ قومی اتحاد اور جماعتی وحدت ایک نہایت ہی مقدس اور قیمتی شے ہے۔ لاریب ہماری عزتوں اور جانوں اور مالوں سے زیادہ قیمتی اور ہمارے جذبات اور ہماری اولاد سے زیادہ عزیز چیز ہے مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جماعتی اتحاد کیوں مقدس ہے؟ اِسی لئے نا کہ یہ للہ اور فی اللہ قائم کیا گیا ہے۔ جماعتی اتحاد کیوں قیمتی ہے؟ اتنا قیمتی کہ اس کے مقابل پر ہماری عزت اور ہماری جان اور ہماری اولاد کچھ بھی قیمت نہیں رکھتے — اِسی لئے نا کہ یہ اتحاد خدا تعالیٰ کے مقدس ہاتھ سے خدائے ذوالجلال کی توحید کے قیام اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصد کی تکمیل کے لئے قائم کیا گیا ہے۔ کیا اِس اتحاد اور تقدس کی اس کے سوا کوئی اور بھی وجہ ہو سکتی ہے؟ توحید باری تعالیٰ تو جماعتی اتحاد کی اساس ہے۔ کیا جماعتی وحدت کے لئے توحید باری تعالیٰ سے

زیادہ مضبوط کوئی بنیاد ممکن ہے ؟

یہ ہمارے لئے انتہائی بدقسمتی کی بات ہو گی اگر ہم محکم تنزیل کو چھوڑ کر متشابہات کی راہ اختیار کریں جن میں مختلف تاویلات کی گنجائش ہوتی ہے۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی مسلمانوں نے یہ طریق اختیار کیا آپ بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ قرآن کریم کی تعلیم اس بارہ میں بالکل واضح ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ (آل عمران:۸)

یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تجھ پر یہ کامل کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیات ہیں اور وہی منشاء اور منبع اسلامی تعلیمات کا ہیں۔ ہاں اس کے علاوہ کچھ متشابہ آیات بھی ہیں۔ وہ لوگ جن کے دل میں کجی ہوتی ہے فتنہ پیدا کرنے کے لئے اور تاویل سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے محکم آیات کو نظر انداز کر کے اور یہ امر فراموش کر کے کہ متشابہ آیات کی تفسیر محکم آیات کی روشنی میں کرنی چاہیئے متشابہ آیات کی پیروی کرتے ہیں۔"

قرآن کریم کی ہزاروں محکم آیات اس خیال کو دھکے دیتی ہیں کہ خدائے قدوس کی توحید کے مقابل پر کسی چیز کو خواہ وہ کتنی ہی مقدس کیوں نہ ہو کوئی بھی قیمت دی جائے۔ اللہ تعالیٰ صاف طور پر حکم دیتا ہے :-

لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

یعنی ظالموں اور شرک کا طریق اختیار کرنے والوں سے کوئی واسطہ اور علاقہ نہ رکھو۔ اور ان کی طرف تمہارا کسی قسم کا میلان نہ ہو۔ ایک ایسی آیت کو جو متشابہ کے حکم میں ہے اپنی رائے کی بنیاد قرار دے کر اس پر تکیہ کرنا اور ان ہزاروں آیات کو فراموش کر دینا جو واضح اور واشگاف الفاظ میں بتاتی ہیں کہ اصل چیز توحید ہے اور یہی تمام صداقتوں کی جان اور تمام برکتوں کا سرچشمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء علیہم السلام دنیا میں اسی مقصد کے حصول کے لئے آتے رہے اور اسی پاک مقصد کی خاطر وہ جماعت کا قیام کرتے رہے۔ اس اصل الاصول کو کسی بھی قیمت پر فراموش نہیں کیا جا سکتا، اسے فراموش کرنا کسی طرح بابرکت نہیں ہو سکتا۔

اس اصولی گذارش کے بعد جو ہماری معروضات کا مرکزی نقطہ ہے، موضوعِ زیر بحث کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

سیدنا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام اور سیدنا حضرت ہارون علیہ السلام کے ایک مکالمہ کا قرآن مجید میں کئی مقامات پر ذکر آیا ہے جو تاریخِ مذاہبِ عالم کا ایک

مشہور واقعہ ہے۔ جس پر مختلف تفاسیر میں سیر حاصل بحثیں کی گئی ہیں۔ تورات میں بھی اس کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا کے فاضل مرتبین نے بھی اس کا تجزیہ کیا ہے۔ یہ سارا مواد یہاں پیش کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ صرف ایک اصولی گزارش کی تائید مقصود ہے۔

فاضل مضمون نگار نے سورۃ طٰہٰ کی اِن آیات سے استدلال کیا ہے :-

قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ج اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝

ترجمہ :- (جب موسیٰؑ کوہ طور سے واپس آئے تو انہوں نے ہارونؑ سے) کہا اے ہارون! جب تو نے اپنی قوم کو گمراہ ہوتے دیکھا تو تجھے کس نے منع کیا تھا کہ تو میرے نقش قدم پر نہ چلے؟ کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی؟ (ہارونؑ نے) کہا۔ اے میری ماں کے بیٹے نہ میری داڑھی کے بال پکڑ نہ میرے سر کے بال پکڑ۔ میں تو اس بات سے ڈر گیا تھا کہ تو یہ نہ کہے تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا کر دیا ہے اور میری بات کا خیال نہ رکھا"

اس مکالمہ سے استنباط کرکے آپ نے لکھا ہے :-

"اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قومی وحدت اور اتحاد ایسا ضروری ہے کہ اس کی خاطر خدا تعالیٰ کے ایک نبی نے شرک جیسے گناہ پر سخت ایکشن لینا ملتوی کر دیا اور ان سے درجے میں بالا نبی نے اُن کے فعل کے جواز کو قبول کر لیا" (الفضل ۲۵-۶-۶۵ ص۴)

یہ استنباط اور استدلال محلِ نظر ہے۔ اسوقت ہمارے سامنے دو سوال ہیں :-

(۱) حضرت ہارون نے کیوں سخت ایکشن نہ لیا اور جو کچھ انہوں نے کیا، کیا وہ اُس سے زیادہ کچھ کر سکتے تھے؟

(۲) کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ کی پالیسی کو پسند کیا؟

حضرت ہارونؑ کے ایکشن کی ماہیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق پہاڑ پر جانے لگے تو انہوں نے حضرت ہارونؑ کو اپنا نائب مقرر کیا۔ (تورات کے مطابق آپ کے علاوہ حُور نامی ایک اور شخص کو بھی آپ نے نائب مقرر کیا) حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے

حالات سے خوب واقف تھے۔ انہیں قوم کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ تھا کیونکہ ابھی اُن کی تربیت خام تھی۔ سورۃ اعراف میں حقوقِ نیابت کی سپردگی کا اِن الفاظ میں ذکر ہے:۔

وَقَالَ مُوسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ
اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ
وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ۝

(اعراف: ۱۴۳)

ترجمہ:۔ حضرت موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا میری قوم میں میری جگہ رہنا اور اصلاح کرنا اور فساد کرنیوالوں کی راہ کی پیروی نہ کرنا"

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں نبی تھے مگر حکومت اور سرداری حضرت موسیٰؑ کے پاس تھی۔ وہی صاحبِ اختیار نبی تھے، حضرت ہارون ان کے تابع تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے جاتی دفعہ سرداری اور حکومت انہیں سونپی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت موسیٰؑ انہیں اپنی تشریعی نبوت کے خصوصی اختیارات بھی دے گئے تھے۔ نبی کی حیثیت سے حضرت ہارونؑ ان ایام میں بھی حضرت موسیٰؑ کے اسی طرح مطیع تھے جیسے اس سے قبل تھے اور ہر اہم اقدام کے لئے ان کے فیصلہ کے منتظر۔ یہ ہمیں ماننا پڑے گا کہ اصل اختیارات حضرت موسیٰؑ کے پاس ہی رہے۔ جاتی دفعہ حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کو فتنہ سے خبردار کر دیا اور انہیں بوقتِ ضرورت اصلاح کرنے کی تلقین کی۔ اور یہ بھی تلقین فرمائی کہ اس فتنے میں ملوث ہونے سے اپنے آپ کو ہر قیمت پر بچائیں۔

حضرت موسیٰؑ کی عدم موجودگی میں وہی کچھ ہوا جس کا حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کو خدشہ تھا حضرت موسیٰؑ کے وقتِ مقررہ پر واپس نہ لوٹنے پر سامری نے کمزور طبائع پر اثر کر کے گوسالہ پرستی کا فتنہ کھڑا کر دیا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اکثریت یا ذی اثر لوگ اس فتنے میں مبتلا ہو گئے اور حضرت ہارونؑ نے مقدور بھر اس فتنے کے تدارک کی کوشش کی تبلیغ و تلقین ہی ممکن راستہ تھا حضرت ہارونؑ نے یہ حربہ استعمال کیا اور قرآن مجید اس کا مؤید ہے کہ اس سے زیادہ "ایکشن" لینا حضرت ہارونؑ کے بس کا روگ نہ تھا کیونکہ وہ بالکل بے بس ہو چکے تھے۔ سورۃ اعراف کی آیت میں حضرت ہارون علیہ السلام کی مجبوری اور بے بسی کا ذکر خود انہی کی زبان سے موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو قوم کی گمراہی کی اطلاع دی اور وہ غضبناک ہو کر واپس لوٹے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ
غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا
خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ
اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ
اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ
بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗ اِلَيْهِ ؕ
قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ
اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا
يَقْتُلُوْنَنِيْ ۫ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ
الْاَعْدَآءَ (اعراف: ۱۵۱)

ترجمہ:۔ جب موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف غضبناک حالت میں افسوس کرتے ہوئے آئے اور کہا تم نے میرے بعد بری نیابت کی۔ کیا تم نے اپنے رب کے امر کو جلد چاہا اور تختیاں ڈال دیں۔ اور بھائی کا سر پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اُس نے کہا اے میری ماں کے بیٹے قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے۔ سو دشمنوں کو مجھ پر خوش ہونے کا موقع نہ دو۔"

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِی اِسْرَائِیْل کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

"اس جگہ حضرت ہارون علیہ السلام نے حقیقی عذر پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ میں نے ان لوگوں کو روکا تو تھا لیکن زیادہ سختی اس لئے نہیں کی کہ کہیں یہ مقابل پر کھڑے نہ ہو جائیں اور تو یہ الزام نہ دے کہ قوم میں بغاوت پیدا کر دی اور میرے حکم کا انتظار نہ کیا۔ یا تو نے میرے اس حکم کا کہ امن رہے خیال نہیں رکھا۔"

(تفسیر کبیر جلد چہارم ص۲۴۶)

حضرت ہارونؑ کوئی بڑا ایکشن لینے کے بارے میں حضرت موسیٰؑ کے حکم کا انتظار کرنا چاہتے تھے۔ یہ کوئی سال دو سال کی بات نہیں تھی، توقع تھی کہ حضرت موسیٰؑ بس آئے کہ آئے۔ ہفتہ عشرہ اس طرح انتظار میں لگا ہوگا۔ اس صورتِ حال سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ہارونؑ بھی سمجھتے تھے کہ زیادہ سخت اقدام کرنا چاہیئے، لیکن اپنے آپ کو بے بس پاتے تھے اور دوسرے یہ کہ اصل بااختیار نبی کے احکام کے منتظر تھے ورنہ کوئی اور مصلحت نہ تھی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون نے تلقین میں اس حد تک سختی کی کہ مخالفین اُن کے قتل کے درپے ہو گئے۔ اگر حضرت ہارونؑ نے شرک کو اتحاد کی خاطر گوارا کر لیا تھا تو مشرکین نے ان کے خلاف تلواریں کیوں سونت لی تھیں؟ یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی جرأت ہے کہ آپ نے توحید کی خاطر ان نامساعد حالات میں بھی اس حد تک کوشش فرمائی کہ کھلا کھلا مشرک آپ کی زندگی ختم کرنے کے منصوبے تیار کرنے لگے۔!!

کیا حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کی پالیسی کو پسند فرمایا؟

اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ نعوذ باللہ حضرت ہارونؑ نے شرک جیسے گناہ کو قوم میں پھیلنے دیا اور فاضل مضمون نگار کے خیال کے مطابق نعوذ باللہ شرک کو دانستہ برداشت کر لیا اور کوئی سخت ایکشن محض اس لئے نہ لیا کہ جماعت میں اتحاد قائم رہے ـــــ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس "کمزور پالیسی" کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پسند فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول اور فعل سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ ان کا ردِ عمل شدید تھا اور اسی وجہ سے انہوں نے حضرت ہارونؑ سے ناراضی کا اظہار کیا کہ کیوں اس فتنے کا فوراً تدارک نہ کیا۔ اگر واقعی حضرت ہارون علیہ السلام کی پالیسی یہی تھی کہ اتحاد کی خاطر شرک کو برداشت کر لیا جائے اور کوئی سخت ایکشن نہ لیا جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پالیسی کو ہرگز پسند نہیں فرمایا بلکہ شرک کے خبث کے خلاف انتہائی نفرت اور خدائے ذوالجلال کی توحید کی خاطر انتہائی غیرت کا مظاہرہ کیا۔ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہر قول اور فعل اس بات کا زبردست ثبوت نہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی توحید کے مقابل پر کسی بھی بات کو کسی بھی مصلحت کی خاطر برداشت کرنے کے لئے ایک لمحہ کے لئے بھی تیار نہ ہوئے؟ اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شدید ردِ عمل کا خاکہ کھینچنا مناسب ہوگا جسے فاضل مضمون نگار نے نہ جانے کیوں نظر انداز کر دیا ہے؟

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شدید ایکشن نہ لینے پر حضرت ہارون علیہ السلام پر سخت غیظ و غضب کا اظہار فرمایا۔ عمر میں بڑے بھائی کو لوگوں کے سامنے سر کے بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ اسی طرح داڑھی بھی پکڑی اور سختی سے جواب طلبی کی کہ تم نے میرے پیچھے یہ کیا کیا؟ غصے کی شدید کیفیت کا اندازہ اس صورتِ حال سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مقدس الواح جن پر خدا تعالیٰ سے مکالمات کے بعد احکام الٰہی لکھ کر لائے تھے زمین پر پھینک دیں۔ اس شدید غصے کی وجہ کیا تھی؟ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

"حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کے شرک کی وجہ سے غصہ میں بھرے ہوئے تھے، اور زیادہ غصہ بھائی پر تھا کہ قوم میں شرک ظاہر ہونے پر ان سے لڑ کیوں نہ پڑے۔ اور انہی پر غصہ زیادہ ظاہر کیا تھا کہ باقی قوم ڈر جائے اور اصلاح کر لے" (تفسیر صغیر۔ الاعراف آیت ۱۵۱ صفحہ ۲۴۲)

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی زیر نگرانی شائع ہونے والی تفسیر القرآن انگریزی میں سورۃ اعراف کی اس آیت کی تشریح میں اسی مفہوم کا اظہار ہے۔ حضرت موسیٰؑ کا حضرت ہارونؑ پر غصہ اس وجہ سے نہ تھا کہ نعوذ باللہ حضرت ہارونؑ خود شرک میں شریک ہو کر مذہبی گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ بلکہ اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اس فتنے کا سختی سے قلع قمع کیوں نہ کیا۔ یعنی وہ کچھ کیوں نہ کیا جو خود حضرت موسیٰؑ نے آکر کیا؟ حضرت موسیٰؑ کو حضرت ہارونؑ کی نرمی اور تساہل پر غصہ آ رہا تھا لیکن حضرت ہارون نے اس امید پر کہ حضرت موسیٰؑ آکر سخت اقدام کر لیں گے خود تبلیغ و تلقین کرتے

رہے۔ اور یہ اس لئے تھا کہ وہ حضرت موسیٰؑ
کے تابع تھے اور اُن کے احکام کے منتظر تھے۔
(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی جلد اوّل ۸۸)

(۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس جُرم کی پاداش
میں بعض لوگوں کو خدا کے حکم سے قتل کرا دیا۔
تورات کے بیان کے مطابق تین ہزار آدمی قتل
کئے گئے۔ عملاً اس فتنے کے تمام سرغنے موت
کے گھاٹ اُتار دیئے گئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح
الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے
سورۃ البقرہ کی آیت فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ
کی تفسیر کرتے ہوئے بیان فرمایا ہے:۔

"قتل کے معنے جیسا کہ حل لغات
سے ظاہر ہے قتل کے بھی ہوتے
ہیں اور قطع تعلق کے بھی ہوتے
ہیں۔ بعض مفسرین نے اس جگہ
پر قتل سے مراد اپنے نفس کو
قتل کرنے یعنی اپنی خواہشات
کو مارنے کے لئے ہیں لیکن بائبل
سے ظاہر ہوتا ہے کہ فی الواقعہ
بعض آدمیوں کو قتل کی سزا
دی گئی تھی۔ اور اس بات کو
دیکھتے ہوئے کہ پہلے عفو کا اعلان
کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے
اس موقع کی شفاعت کا خاص
طور پہ ذکر فرمایا ہے معلوم
ہوتا ہے کہ درحقیقت بعض افراد
کو قتل کی سزا بھی دی گئی تھی"
(تفسیر کبیر جلد اوّل جزو اوّل ص۴۵۲)

بائیبل نے اس سزا کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"اور اُس (موسیٰؑ) نے اُنہیں
(بنی لاوی یعنی قوم موسیٰؑ) کو کہا
کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے
فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر مرد اپنی
کمر پر تلوار باندھے۔ اور ایک
دروازے سے دوسرے دروازے
تک تمام لشکر گاہ میں گزرتے
پھرو۔ اور ہر مرد تم میں سے اپنے
بھائی کو اور ہر آدمی اپنے دوست
کو اور ہر ایک آدمی اپنے قریب
کو قتل کرے اور بنو لاوی نے
موسیٰ کے کہنے کے موافق کیا چنانچہ
ان لوگوں میں سے قریب تین ہزار
مرد مارے پڑے۔"

(خروج باب ۳۲ آیت ۲۷-۲۸)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ
نے فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ کے یہ معانی بھی
لئے ہیں کہ:۔

"اپنے اعزا و اقربا کو قتل کرو
جیسا کہ بائیبل میں مذکور ہے۔"
(تفسیر کبیر جلد اوّل جزو اوّل ص۴۵۵)

اس کی مزید تشریح حضور ہی کے الفاظ میں پیش خدمت ہے :-

"معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ شرک کے مرتکب ثابت ہوئے تھے ان کے متعلق یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان کے بھائی یا دوست ہی ان کو قتل کریں۔ اس میں دو فائدے مدنظر تھے۔ ایک تو یہ کہ جو قتل ہوا اس کو تو قتل کی سزا مل گئی اور جس نے قتل کیا اس کو بھی ایک رنگ میں سزا مل گئی کہ اسے اپنے ہاتھوں سے بھائی یا دوست کو مارنا پڑا اور اس کی موت کا نظارہ دیکھنا پڑا۔"

(تفسیر کبیر ایضاً ص۴۵۵)

(۳) اس فتنہ کے بانی سامری کو عمر بھر کے لئے مقاطعہ اور بائیکاٹ کی سزا دی گئی جو قتل سے بھی زیادہ سخت چیز ہے۔

(۴) گوسالہ کو پاش پاش کر کے تباہ و برباد کر دیا گیا۔

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سیدنا حضرت ہارون علیہ السلام کی پالیسی کو (اگر واقعی یہ حضرت ہارون کی پالیسی تھی) پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ عملاً ان کی پالیسی کی مذمت فرمائی۔ یہاں تک کہ اس نرمی اور کمزور پالیسی کی وجہ سے ان کے لئے اس مکالمہ کے بعد خدا تعالیٰ سے گڑگڑا کر دعا کی کہ "اے اللہ! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دیجیو"۔۔۔ جماعتی اتحاد کو قائم کرنے کیلئے حضرت ہارونؑ کا یہ اقدام جو فاضل مضمون نگار کی نگاہ میں پسندیدہ تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلالی نبی نے بھی اسے تسلیم کر لیا تھا، تو اس موقع پر خوش ہو کر اللہ تعالیٰ سے افضال و برکات کے نزول کی دعا کرنی چاہیئے تھی نہ کہ معذرت اور مغفرت کی؟ کیا یہ مغفرت کی دعا جماعتی اتحاد کو تقویت پہنچانے کی وجہ سے تھی؟ کیا یہ معذرت کی التجا جماعت کو تفرقہ سے بچانے کی وجہ سے تھی؟

فاضل مصنف نے تحریر فرمایا ہے کہ "حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ کے عذر کو قبول کر لیا"۔۔۔ اگر اس کا یہ مفہوم ہے کہ جماعتی اتحاد کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ کی اس پالیسی کو (جس کا خاکہ فاضل مصنف نے اپنے مقالے میں کھینچا ہے) قبولیت کا شرف بخشا تو یہ بالکل غلط ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارونؑ کی بے بسی اور عملاً کچھ نہ کر سکنے کی حالت کو تسلیم کر کے ان کی مغفرت کے لئے دعا فرمائی۔ اور پھر خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے "جماعتی اتحاد" کو بالائے طاق رکھ کر وہ اقدامات کئے جن کا اوپر ذکر ہے۔ اور عجیب بات ہے کہ ان سخت اقدامات کے باوجود اتحاد جماعت میں کوئی خلل نہ پڑا بلکہ توحید کی بدولت اور بھی مضبوطی پیدا ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ الٰہی جماعتوں کے اتحاد کا راز ۔۔۔ توحید

کے اقرار اور اس پر ایمان اور اس پر سچے دل سے عمل پیرا ہونے میں مضمر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ توحید کا قیام تمام انبیاء علیہم السلام کا مشترک مقصد رہا ہے۔ اور ہر نبی نے توحید کے قیام و استحکام کے لئے مصلحتوں کو نظر انداز کر کے دیوانہ وار سعی فرمائی ہے۔ اس میدان میں بھی ہمارے سید و مولیٰ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام تمام انبیاء علیہم السلام سے بلند ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے مختلف واقعات کا تجزیہ کر کے تحریر فرمایا ہے:-

"غرض رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک واقعہ اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کے دل میں سوائے اس کے اور کوئی خواہش نہیں تھی کہ شرک مٹ جائے اور خدا تعالیٰ کی توحید دنیا میں پھیل جائے۔"

"ایک ایک قدم اور ایک ایک سانس پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس رنگ میں اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے جلال کا اظہار کیا ہے اور جس طرح اپنے عشق و محبت کا ثبوت دیا ہے اس کی مثال دنیا کے اور کسی نبی میں دکھائی نہیں دیتی۔" (تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۱۵)

تاریخ اسلام سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ توحید باریتعالیٰ کے قیام و استحکام پر قوم کے مخدوش حالات یا اور مصلحتوں یا نزاکتوں کی پرواہ نہیں کی گئی۔ صرف ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔ جنگِ اُحد میں صحابہ کرامؓ کی لاشوں کے ڈھیر میں حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم شدید زخمی حالت میں خون کے پیاسے کفارِ مکہ کے نرغے میں ہیں۔ کفار ابوسفیان کی قیادت میں یہ سمجھ کر کہ حضور علیہ السلام اور چیدہ چیدہ صحابہ کو نعوذ باللہ قتل کر چکے ہیں، اظہارِ مسرت کے لئے نعرے لگانے لگتے ہیں — "ہم نے محمد بن عبداللہ کو قتل کر دیا" — حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ (جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اطال اللہ بقاءہٗ کے خیال کے مطابق جنگی مصلحت تھی[۵]) پھر کفار آواز دیتے ہیں "ہم نے ابوبکرؓ کو بھی مار ڈالا ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ بھی خاموش رہتے ہیں۔ پھر کفار نعرہ بلند کرتے ہیں — "ہم نے عمر بن خطاب کو بھی مار ڈالا ہے" — حضرت عمرؓ چاہتے ہیں کہ جواب دیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں — "خاموش رہو اور مسلمانوں کو مصیبت میں نہ ڈالو" — جب صحابہؓ نے کوئی جواب نہ دیا تو کفار خوشی میں بے قابو

---

[۵] "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی بات کا جواب نہ دیا۔ تا ایسا نہ ہو کہ دشمن حقیقتِ حال سے واقف ہو کر حملہ کر دے اور زخمی مسلمان پھر دوبارہ دشمن کے حملہ کا شکار ہو جائیں۔"

(دیباچہ تفسیر القرآن انگریزی، اردو ترجمہ صفحہ ۱۵۱)

ہو کر ——" اُعْلُ ھُبَل - اُعْلُ ھُبَل" کا نعرہ لگاتے ہیں کہ "ہمارے بُت ہبل کی جے" !! - یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے قرار اور بے چین ہو کر صحابہؓ سے پوچھتے ہیں جواب کیوں نہیں دیتے —— چنانچہ مٹھی بھر زخمی مسلمانوں کے اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ، اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ کے نعروں سے فضاء گونج اُٹھتی ہے ——!!!

جنگ اُحد میں اسلام کی جو حالت تھی اُس سے زیادہ نازک وقت اسلام پر نہ بعد میں کبھی آیا اور قیاس ہے کہ نہ قیامت تک ایسا وقت آئے گا عقل کہے گی کہ مصلحتِ وقت کا تقاضا تھا کہ خاموش رہتے توحید پر تو سب کا ایمان تھا - علی الاعلان ایسے وقت میں نعرہ بلند کرنے کی کیا ضرورت تھی —— ہرگز نہیں - توحید کے قیام اور استحکام کے لئے اگر خاک و خون میں تڑپنا پڑے تو بھی مہنگا سودا نہیں —— چنانچہ اس کا کفار کے دل پر ایسا رعب پڑا کہ انہیں حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی - !!

توحید کے بارے میں اسلام کی اصل تعلیم کی یہ ایک سچی تصویر ہے - حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مٹھی بھر زخمی مسلمانوں کی ساری جماعت کو انتہائی خطرہ میں ڈال دیا مگر توحید پر حرف نہ آنے دیا - ! اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ -

حقیقت یہ ہے کہ توحید جماعت کے اتحاد اور سالمیت کی اساس ہے - خدائے واحد کی سچی توحید پر سچا ایمان لانے والوں میں حقیقی وحدت کا پیدا ہونا توحید کا طبعی تقاضا ہے - مصلحتوں کے موہوم سہاروں پر قائم رہنے والی وحدت دیرپا نہیں ہوتی - بنیان مرصوص میں ڈھالنے والی وحدت —— توحید باری تعالیٰ کے قیام و استحکام سے وابستہ ہے - ہمارا تو ایمان ہے کہ توحید باری تعالیٰ اتنی بلند چیز ہے کہ اس کی خاطر جماعت کے ٹکڑے تو کیا اگر جماعت کے ایک ایک فرد کے ہزار ہزار ٹکڑے بھی ہو جائیں تب بھی قیام توحید اور استحکام توحید کے مقابل پر اس کی کچھ قیمت نہیں !!

فاضل مصنف کی تحریر سے واضح الفاظ میں یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ جماعتی اتحاد کے لئے وقت آنے پر توحید کو بھی قربان کیا جا سکتا ہے اور حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف منسوب طرزِ عمل کو "حجت" سمجھا جا سکتا ہے لیکن ایک وقت ایسا آ سکتا ہے کہ آئندہ نسلیں حضرت مصلح موعود ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے عہدِ خلافت میں شائع ہونے والے اس اقتباس کو عذر بنا لیں اور کسی مصلحت بینی کا شکار ہو کر حقیقی توحید کو پس پشت ڈال کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روح کو تکلیف پہنچائیں اور خدا تعالیٰ کو پھر یاد دلانا پڑے

"اے ابنائے فارس! توحید کو پکڑ و - توحید کو پکڑ لو -"

تشنہ لبی

سچ سچ ترے میخانے میں کیا مے کی کمی ہے
ہم بادہ پرستوں پہ گراں تشنہ لبی ہے

یہ حسنِ طلب ہے کہ زباں کچھ نہیں کہتی
یہ حسنِ بیاں ہے کہ نگاہوں میں نمی ہے

اللہ رے شبِ غم میں تصوّر کے تقاضے
تاریک فضاؤں میں یہ چاندی سی گھلی ہے

اس منتظرِ شوق پہ ہر لمحہ گراں تھا
گو ڈھل تو گئی رات مگر کیسے ڈھلی ہے

بے چین ہوا جاتا ہے دل رکتے ہیں پاؤں
کوئی تو بتائے مجھے یہ کس کی گلی ہے

ممکن ہی نہیں ہے کہ نسیم اسکو بھلا دے
یہ یاد تو اشکوں کے تقدس میں پلی ہے

جناب مولانا نسیم سیفی
سابق رئیس التبلیغ نائیجیریا

خدام الاحمدیہ کے صفحات

حضرت صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب

صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا دورہ کراچی

(دس دن کا انتہائی مصروف پروگرام)

محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب ۲۱ر جون بروز سوموار بذریعہ شاہین ایکسپریس کراچی تشریف لائے۔ چھاؤنی ریلوے سٹیشن پر محترم امیر جماعت چوہدری احمد مختار صاحب، مکرم قائد صاحب، اور دیگر احباب جماعت و خدام نے استقبال کیا۔ صاحبزادہ صاحب کے ہمراہ مہتمم صاحب مقامی مرکزیہ مکرم چوہدری حمید العزیز صاحب بھی تھے۔

اسی دن نماز مغرب کے بعد احمدیہ ہال میں آپ نے سورۃ نمل رکوع ۵ کا درس دیا جس میں آپ نے توحید حقیقی پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔ درس ایک گھنٹہ تک ہوا۔

مورخہ ۲۲/۶/۶۵ کو بھی نماز مغرب کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب نے درس قرآن دیا۔ جس میں آپ نے سورۃ النجم کے پہلے رکوع کی تفسیر بڑے احسن پیرایہ میں بیان فرمائی۔ اس میں آپ نے مسئلہ معراج اور مسئلہ شفاعت پر سیر حاصل بحث فرمائی۔

مورخہ ۲۳/۶/۶۵ کو بعد نماز مغرب محترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب نے سورۃ النجم کے دوسرے رکوع تفصیل کے ساتھ درس دیا۔ اس رکوع میں آپ نے خدا تعالیٰ کی راہ میں ترقی کرنے، اس کے ساتھ تعلق قائم کرنے، گناہ کی حقیقت اور اس سے بچنے کے طریق بیان فرمائے۔ اسی طرح توحید الٰہی پر قائم رہنے اور شرک سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت اپنی امت کے بارہ میں تفصیل سے بیان فرمائی۔ یہ درس بھی ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔

مورخہ ۲۴/۶/۶۵ عصر کی نماز کے بعد احمدیہ ہال میں جملہ عہدیداران مجلس خدام الاحمدیہ (مقامی و حلقہ جات) سے خطاب فرمایا۔ یہ اجلاس ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ جس میں بعض امور کی طرف خدام کو توجہ دلائی۔

مورخہ ۲۵/۶/۶۵۔ اس روز خطبہ جمعہ بھی آپ نے ارشاد فرمایا۔ جس میں آپ نے اپنے بڑوں کا ادب کرنا اور چھوٹوں پر رحم کرنے کی طرف توجہ دلائی۔

اسی دن بعد نماز مغرب مسجد احمدیہ مارٹن روڈ میں آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر بڑی عمدگی سے روشنی ڈالی۔ اس اجلاس کی صدارت محترم امیر صاحب جماعت احمدیہ کراچی نے کی۔

مورخہ ۲۶/۶/۶۵ بعد نماز عصر احمدیہ ہال میں اصلاح و ارشاد کے تحت مجلس مذاکرہ علمیہ منعقد کی گئی۔ جس میں صاحبزادہ صاحب نے نصف گھنٹہ تک "ضرورت مذہب" کے عنوان پر اپنا مبسوط مقالہ پڑھا۔ بعد میں سوالات کے جوابات بھی دیئے۔ اس اجلاس کی صدارت محترم امیر صاحب نے کی۔

بعد نماز مغرب مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ کراچی سے بعض امور کے متعلق مشورہ طلب فرمایا۔ اور اپنے قیمتی مشورہ سے نوازا۔ پون گھنٹے تک یہ کارروائی جاری رہی۔

مورخہ ۲۷/۶/۶۵ بروز اتوار صبح ۱/۲ ۱۰ بجے مجلس خدام الاحمدیہ کے اجلاس عام اور یوم والدین کے موقع پر آپ نے خدام سے ۱/۲ گھنٹہ تک خطاب فرمایا اور بعد میں اطفال میں انعامات تقسیم فرمائے۔

اس موقع پر آپ نے اپنے خدام کو بعض قیمتی نصائح سے نوازا۔ آپ نے فرمایا کہ خدام اپنی ظاہری اور باطنی تنظیم کو مضبوط کریں۔ اپنے اندر تقویٰ پیدا کریں۔ اپنی ہمتوں کو بلند کریں۔ نیک اور صالح بننے کی کوشش کریں۔ کبر و غرور کو اپنے دلوں سے نکالیں۔ مایوسی کو قریب نہ آنے دیں۔ آخر میں والدین کو بھی اپنی اولاد کی تربیت کی طرف توجہ دلائی۔

اسی دن چار بجے شام آپ نے مقامی لجنہ اماءاللہ کو خطاب فرمایا۔ جس میں احمدی خواتین کو انکی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی۔ نیز انہیں اولاد کے وقف کرنے کی تلقین فرمائی۔

۲۸/۶/۶۵ شام چھ بجے حلقہ سوسائٹی کے خدام اور احباب جماعت کو خطاب فرمایا۔ پھر خدام سے نصف گھنٹہ تک خطاب فرمایا۔

دوران تقریر فرمایا کہ جماعت احمدیہ کی عمارت کی تکمیل کا کام ہمارے سپرد ہے۔ یہ ورثہ ایک امانت ہے جو ضائع ہو گئی تو ہم سے زیادہ بدقسمت اور کوئی نہیں ہوگا۔

آخر میں آپ نے حلقہ کے خدام میں انعامات بھی تقسیم فرمائے۔

اسی روز بعد نماز مغرب مسجد احمدیہ ڈرگ روڈ میں خدام الاحمدیہ کا تربیتی جلسہ ہوا۔ نصف گھنٹہ اپنی بیش بہا نصائح سے نوازا۔

دس دن کے انتہائی کامیاب اور مصروف دورہ کے بعد محترم صاحبزادہ صاحب واپس ربوہ تشریف لے گئے۔　(معتمد مجلس خدام الاحمدیہ کراچی)

امتحان مبتدی

۱۷ ستمبر ۱۹۶۵ء کو ہو رہا ہے۔ اس میں تمام خدام کی شمولیت لازمی ہے۔

قائدین کا فرض ہے کہ خدام کو اس امتحان کے لئے تیار کریں۔!

مہتمم تعلیم
(ماہتمم تعلیم خدام الاحمدیہ مرکزیہ)

خریداران خالد کی خدمت میں
ایک ضروری گزارش

رسالہ خالد مجلس خدام الاحمدیہ کا اپنا رسالہ ہے اور مجلس کے ہر رکن کا فرض ہے کہ وہ اس کی خاطر خواہ اشاعت میں ادارہ کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے۔

خالد کا چندہ خریداری ختم ہونے پر خریداران کی خدمت میں رسالہ وی پی کرنے سے قبل بذریعہ خط اطلاع دی جاتی ہے اور اطلاع نہ موصول ہونے پر انہیں رسالہ وی پی کیا جاتا ہے۔ مگر بعض خریداران اسکے باوجود وی پی واپس بھجوا دیتے ہیں۔ جس سے شعبہ کو بلاوجہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے حالانکہ آپ ایک کارڈ لکھ کر شعبہ کو ۵۲ پیسے کے نقصان سے بچا سکتے ہیں۔ لہذا خاکسار جملہ خریداران خالد سے التماس کرتا ہے کہ وہ عملہ کے ساتھ تعاون فرمائیں اور وی پی واپس نہ بھجوائیں۔ اگر خدانخواستہ رسالہ جاری رکھنے کا ارادہ نہ ہو تو خط ملتے ہی اطلاع دے دیا کریں۔ نیز یہ بھی گزارش ہے کہ اگر غلطی سے وی پی ہو جائے تو بھی وی پی وصول کر لیا کریں۔ آپ کی طرف سے اطلاع آنے پر وی پی کے ذریعہ وصول شدہ چندہ اگلے سال کیلئے شمار کر لیا جائے گا۔

خاکسار کو امید ہے کہ خدام بھائی خالد کو اپنا قومی رسالہ سمجھتے ہوئے اسے ہر قسم کے نقصان سے بچانیکی کوشش کریں گے اور کسی صورت میں بھی وی پی واپس نہ بھجوائیں گے۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء

(مینیجر ماہنامہ خالد۔ ربوہ)

تعلیمی کارڈ

مجلس شوریٰ خدام الاحمدیہ کے فیصلہ کے مطابق ہر خادم کو چاہیئے کہ وہ اپنا تعلیمی کارڈ اپنے پاس محفوظ رکھے اور اس سے فائدہ اٹھائے۔ اس کارڈ میں دیگر اندراجات کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی مکمل فہرست ہے اور اس کی قیمت صرف سات نئے پیسے ہے جو اس کی لاگت کے برابر ہے۔ ہر خادم کو چاہیئے کہ وقتاً فوقتاً ان کتب میں سے جو کتاب پڑھے معمولی امتحان کے بعد اس کارڈ میں اندراج کروا لیا کرے۔ مجالس اس امر کا بھی انتظام کریں کہ سالانہ اجتماع کے موقع پر علمی مقابلہ جات میں شامل ہونے والے خدام اپنا تعلیمی کارڈ ہمراہ لائیں۔ ان مقابلوں میں صرف ایسے خدام ہی حصہ لے سکیں گے جن کے پاس تعلیمی کارڈ اور ان کے اندراجات درست ہوں گے۔ نیز ایسے خدام کو اس موقع پر خاص انعام دیا جائے گا جن کے تعلیمی کارڈ کے جملہ اندراجات مکمل ہوں گے۔

شہری مجالس کے قائدین کرام سے خاص طور پر درخواست ہے کہ وہ اپنی اپنی مجالس کا جائزہ لیں کہ آیا ہر خادم کے پاس اس کا تعلیمی کارڈ موجود ہے۔ اگر نہیں تو مہیا کرنے کا انتظام فرمائیں۔ دفتر مرکزی سے یہ کارڈ قیمت بھجوا کر یا بذریعہ وی پی منگوائے جا سکتے ہیں۔

(مہتمم تعلیم مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ)

بچوں کے دینی نصاب

"کامیابی کی راہیں"

کے متعلق

۱۔ مکرم و محترم مرزا عبد الحق صاحب صدر نگران بورڈ تحریر فرماتے ہیں:۔

"کتاب میں نے پڑھی ہے۔ ماشاء اللہ بہت اچھی ہے۔ خدا تعالیٰ اسے بچوں کے لئے زیادہ سے زیادہ نفع مند بنائے اور آپ کی کوششوں میں برکت ڈالے۔"

۲۔ مکرم و محترم ناظر صاحب تعلیم صدر انجمن احمدیہ ربوہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"آپ کا شائع کردہ سلسلہ کتب جو دینی معلومات پر مشتمل ہے۔ بچوں کے لئے نہایت درجہ مفید ہے۔ انداز بیان بہت پسندیدہ اور بچوں کیلئے دلچسپ ہے۔"

۳۔ مکرم و محترم مولانا ابو العطاء صاحب فاضل ایڈیٹر الفرقان ربوہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"دنیا میں ہر شخص کامیابی سے ہمکنار ہونا چاہتا ہے اور ہمیشہ ان راہوں کی تلاش کرتا ہے جن سے وہ کامیابی کو حاصل کر سکے۔ عزیزم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب منیر مہتمم اطفال نے بہت ہی اچھا کیا کہ احمدی بچوں اور بچیوں کے لئے دینی لحاظ سے "کامیابی کی راہیں" رسالہ جات مرتب کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ یہ رسائل میری نظر سے بھی گزرے ہیں۔ یہ رسائل بہت مفید اور بابرکت ہیں۔"

ممبران مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ دارالرحمت شرقی (ربوہ)
مہتمم صاحب مقامی کے ساتھ
اس مجلس نے دوسری سہ ماہی حسن کارکردگی کی بنا پر مقامی
ربوہ کا علم انعامی حاصل کیا اور مکھی مار سکیم میں شعبہ
صحت جسمانی مرکزیہ کے ساتھ پورا پورا تعاون کیا

Regd. No. L. 5830 AUGUST 1965 Telephone : 48

Monthly KHALID Rabwah

ماہ جون ۱۹۶۵ء کے دوران مجلس خدام الاحمدیہ لائلپور کے خدام نے ایک شاندار قابل تقلید اجتماعی وقار عمل کے ذریعہ مسجد احمدیہ لائلپور کی تیسری منزل کی چھت خود تعمیر کی۔ خدام چھت تعمیر کر رہے ہیں -

[illegible] نصرت پریس ربوہ میں چھپا